اخبار الرایہ

شمارہ نمبر 603

(10-جون-2026)

(عربی سے ترجمہ)

ترکیہ میں سیاسی بحران شدت اختیار کر گیا!........ 2
امریکہ-ایران کی جنگ اور ایران کی موجودہ پوزیشن........ 5
خلیفہ راشد: یہی وہ کمی ہے جو ہمیں درپیش ہے۔........ 17
حقیقی تبدیلی جڑوں سے شروع ہوتی ہے........ 19
اے مسلمانو! ایک نیا عالمی نظام قائم کرنے کے لیے آپ سے زیادہ کوئی موزوں نہیں ہے........ 20
ٹرمپ کے حالیہ دورہ چین پر ایک تجزیہ........ 22
باغ سے جنگل تک! مغربی بالادستی کے بعد کی دنیا کا سامنا کرتا یورپ........ 25
کیا اب وقت نہیں آگیا کہ اسلامی امت اپنی دولت اپنے مفادات پر خرچ کرے؟!........ 29
بڑھتی ہوئی قیمتوں کا اسلام میں حل........ 30
مصر میں سیسی حکومت اور مخالف آوازوں کو خاموش کرنے کی پالیسی........ 34
ایران کو اپنی ایٹمی ہتھیاروں کی صلاحیت سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے........ 38
حقِ خود ارادیت یا شام کی تقسیم؟!........ 40
خلافت نے ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جہاں بے حیائی تفریح کا ذریعہ نہیں تھی........ 41

اے مسلمان افواج! سیلاب حد سے گزر چکا ہے اور یہ گھناؤنا یہودی وجود اپنے جرائم پر بضد ہے۔ اب تم میں سے کسی کے پاس نہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور اور نہ ہی اس کے بندوں کے سامنے کوئی عذر باقی رہا ہے۔ اس تمام تر مجرمانہ درندگی اور بربریت کے بعد، جس سے نہ انسان محفوظ رہے، نہ درخت اور نہ ہی پتھر، کیا تم اب بھی سر جھکائے بے حس و حرکت بیٹھے رہو گے؟! اگر تم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خاطر اور ان پامال شدہ مقدسات کے لیے غضبناک ہو کر حرکت میں نہیں آتے، تو پھر تم کس بات پر غصہ کرو گے اور کب میدانِ عمل میں نکلو گے؟! کیا تم میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کرے اور ان 'اوس و خزرج' کی مانند بن جائے جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کی تھی اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر 'بیعتِ حرب' کا عہد کیا تھا؟

اداریہ

ترکیہ میں سیاسی بحران شدت اختیار کر گیا!

تحریر: استاد نبیل عبدالکریم

(ترجمہ)

ترکیہ حالیہ عرصے میں اپنے پر آشوب ترین سیاسی ادوار میں سے ایک سے گزر رہا ہے، جس کی وجہ سب سے بڑی اپوزیشن جماعت کی قیادت کو نشانہ بنانے والی غیر معمولی قانونی پیش رفت اور اس کے نتیجے میں مالیاتی منڈیوں پر پڑنے والے تیز رفتار اثرات ہیں۔ سیاسی تنازع پارلیمنٹ کی راہداریوں اور مقامی انتخابات سے نکل کر اب عدالتوں تک پہنچ گیا ہے، جسے مبصرین ملک کے اندر سیاسی مقابلے کی نوعیت میں ایک اہم موڑ قرار دے رہے ہیں۔ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو یقین دہانی کرانے کے لیے اٹھائے گئے معاشی اقدامات کے ساتھ ساتھ، ترکیہ میں سیاست اور معیشت کے مستقبل اور آنے والے انتخابات سے پہلے بڑھتی ہوئی کشیدگی کے اس دور میں عدلیہ اور سیاست کے درمیان تعلق کی حدود کے حوالے سے بڑے پیمانے پر سوالات اٹھ رہے ہیں۔

ترکیہ میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ برسوں کا سب سے سنگین سیاسی بحران ہے، کیونکہ اس میں نہ صرف اپوزیشن کے میئرز کی گرفتاری شامل ہے، بلکہ یہ سب سے بڑی اپوزیشن جماعت، ریپبلکن پیپلز پارٹی (CHP) کے مرکز تک پہنچ گیا ہے۔ انقرہ میں عدالتی فیصلوں نے پارٹی کے اس کنونشن کے نتائج کو مؤثر طریقے سے کالعدم قرار دے دیا ہے جس کے ذریعے 2023 میں اوزگور اوزیل پارٹی کی قیادت میں آئے تھے، اور 22 مئی 2026 کو "العربي الجديد" (The New Arab) نامی خبری ادارے کے مطابق، کمال کلچدار اوغلو کی سابقہ قیادت کو عارضی طور پر بحال کر دیا گیا ہے۔

سرکاری طور پر یہ کیس رشوت ستانی اور پارٹی کے اندرونی انتخابات میں بے ضابطگیوں کے الزامات کے گرد گھوم رہا ہے۔ تاہم، اپوزیشن اس معاملے کو خالصتاً سیاسی قرار دے رہی ہے اور اس کا استدلال ہے کہ حکومت 2024 کے بلدیاتی انتخابات میں پارٹی کی نمایاں کامیابیوں کے بعد، خاص طور پر اکرم امام اوغلو کی مقبولیت میں اضافے اور ان کی بعد ازاں گرفتاری کے تناظر میں، اپوزیشن کی نئی تشکیل کے لیے عدلیہ کا استعمال کر رہی ہے۔ اپوزیشن کا ماننا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ محض قانونی تحقیقات نہیں ہیں، بلکہ عدلیہ کی ایک سیاسی ہیرا پھیری ہے جس کا مقصد قیادت کی قانونی حیثیت کو چیلنج کر

کے پارٹی کو کمزور کرنا ہے، جو کہ آنے والے انتخابات سے پہلے ریاست کی جانب سے اپوزیشن کو منتشر کرنے کی ایک کوشش ہے۔

اس کے برعکس حکومت اور عدلیہ، عدالتی آزادی اور سیاسی مداخلت سے پاک ہونے کے اپنے عزم پر قائم ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ مقدمات بدعنوانی کے الزامات، انتظامی خلاف ورزیوں اور بلدیات یا پارٹی کے اندرونی مالی معاملات سے متعلق ہیں۔ حکومت کا مزید کہنا ہے کہ قانون سے بالاتر کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے، خواہ وہ اپوزیشن جماعتیں ہی کیوں نہ ہوں۔ اپوزیشن کی بڑھتی ہوئی لہر کے وقت ان فائلوں کو کھولنے اور ان کی وسعت بڑھانے کا وقت قابلِ غور ہے۔ مزید برآں، ترکیہ جیسے ملک میں عدلیہ سیاسی سیاق وسباق سے مکمل طور پر الگ نہیں ہے، اور نہ ہی یہ محض ایک سیاسی آلہ ہے۔ اس کے بجائے، عدلیہ ایک 'گرے ایریا' (مبہم صورتحال) میں کام کرتی ہے۔ اگرچہ بنیادی مقصد سیاسی نہ بھی ہو، تب بھی اس کا سیاسی نتیجہ بالکل واضح ہے: یعنی اپوزیشن کو کمزور کرنا، اس کی قیادت کو بدنام کرنا اور اس کے اندر عدم استحکام پیدا کرنا۔

اس خاص وقت پر، اس اتھل پتھل کے ناگزیر نتائج برآمد ہوں گے، جن میں درج ذیل شامل ہیں:

1- ملکی سطح پر شدید سیاسی تقسیم: ہم حکومت اور اپوزیشن کے حامیوں کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج اور معاشرے کے ایک حصے میں عدلیہ کی آزادی پر اعتماد کی کمی کا مشاہدہ کریں گے، جو مستقبل قریب میں سیاسی احتجاج یا سماجی بے چینی میں اضافے کا سبب بن سکتا ہے۔

2- ریپبلکن پیپلز پارٹی (CHP) کے اندرونی انتشار کا امکان: پرانی اور نئی قیادت کے درمیان تنازعہ کھڑا ہو سکتا ہے، جس کے نتیجے میں آنے والے انتخابات کے لیے اس کی تیاری کمزور پڑ جائے گی۔

3- معاشی طور پر: استنبول اسٹاک ایکسچینج تقریباً 6 فیصد کمی سے متاثر ہوئی، بینکوں کے حصص شدید دباؤ میں آ گئے، اور حکومت نے ترک لیرا کو سہارا دینے کی کوشش کی۔ ترکی کے وزیرِ معیشت سرمایہ کاروں کے خدشات کے حوالے سے انتہائی حساس نظر آتے ہوئے لندن میں نمودار ہوئے، کیونکہ حکومت غیر ملکی سرمایہ کاروں کو یہ یقین دہانی کرانے کی کوشش کر رہی ہے کہ معاشی پالیسی تبدیل نہیں ہوگی، مرکزی بینک اپنی سخت مانیٹری پالیسی جاری رکھے گا، اور سیاسی ہلچل کے باوجود کوئی مالیاتی تباہی نہیں آئے گی۔ بدقسمتی سے، مارکیٹیں پہلے ہی مہنگائی کی بلند شرح، لیرا کی قدر میں کمی اور دیگر معاشی بحرانوں کا شکار ہیں۔

عدلیہ اور سیاست کے درمیان جاری بحث اب بھی ایک انتہائی حساس معاملہ بنی ہوئی ہے۔ سیاسی دباؤ سے عدالتی اداروں کی آزادی کے بارے میں ملکی اور بین الاقوامی تشریحات مختلف ہیں، اور قانون و سیاست کے درمیان کی لکیر دھندلا گئی ہے، خاص طور پر جب عدالتی کارروائیاں انتخابی تبدیلیوں کے وقت عمل میں آتی ہیں۔ ملک حکمران اور اپوزیشن کے کیمپوں کے درمیان شدید تقسیم کا سامنا کر رہا ہے، اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ شاید سیاسی منظر نامے کی قانونی طور پر نوک پلک سنوارنا ہے، یا آنے والے انتخابات سے پہلے طاقت کے توازن کی نئ تشکیل کے ایک نئے مرحلے کا آغاز ہے۔

ایک مسلم ملک ترکیہ میں سرمایہ دارانہ نظام نے یہی کچھ پیدا کیا ہے یعنی سیکولر قانون پر تقسیم اور کنٹرول و اثر و رسوخ کی جنگ۔ حالانکہ امت کے معاملات کی نگہبانی سے سرے سے اقتدار کی کوئی کشمکش پیدا ہی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے بجائے، عوامی عہدہ ایک ذمہ داری ہونی چاہیے، نہ کہ کوئی ایسا منصب جس کی ہوس کی جائے۔ بد قسمتی سے، ہم مسلمان ہونے کے ناطے اپنے طرزِ زندگی کے لیے ایک مکمل خدائی نازل کردہ قانونِ شریعت رکھتے ہیں، لیکن پھر بھی ہم مغربی قوانین سے چمٹے ہوئے ہیں جو صرف ہماری کمزوری میں اضافہ کرتے ہیں!

اے ترکیہ کے لوگو، ان تمام رکاوٹوں کو عبور کرلو جو اسلامی طرزِ زندگی کی بحالی کی راہ میں حائل ہیں اور خلافت کے عہد کی طرف لوٹ آؤ، کیونکہ اسی میں ہماری عزت ہے اور اسی میں دنیا و آخرت کی نجات ہے۔ ترکیہ کے غازی اس قابل ہیں کہ وہ حالات کا رخ ایک ایسے نئے دور کی طرف موڑ دیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ "اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا۔" (سورۃ محمد: آیت 7)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال وجواب

امریکہ–ایران کی جنگ اور ایران کی موجودہ پوزیشن

(ترجمہ)

سوال:

امریکہ کی جانب سے ایران پر حملے اور ان حملوں کے جواب میں ایران کی کارروائیاں تین ماہ سے زائد عرصے سے جاری ہیں۔ اسی سلسلے میں "امریکی فوجی کمان نے بیان دیا کہ اس نے جزیرہ قشم پر ایران کی بری فوج کے ایک عسکری کمانڈ مرکز کو نشانہ بناتے ہوئے عین ٹھکانوں پر حملے کئے ہیں۔ اس حملہ کے ردعمل میں ایرانی پاسدارانِ انقلاب نے اعلان کیا کہ اس نے خطے میں موجود ایک امریکی اڈے کو نشانہ بنایا ہے..." [الجزیرہ، 3 جون 2026ء]۔ اسی طرح جنوبی لبنان پر یہودی وجود کی جانب سے کئے جانے والے حملے بھی مسلسل جاری ہیں۔ "جنوبی لبنان میں اسرائیل اور حزب اللہ کے درمیان رات بھر جھڑپیں جاری رہیں، حالانکہ ٹرمپ نے اعلان کیا تھا کہ دونوں فریق لبنان اور اسرائیل کے درمیان آج واشنگٹن میں ہونے والے مذاکرات کے نئے دور سے قبل جنگ بندی پر متفق ہو گئے ہیں..." [بی بی سی، 2 جون 2026ء]۔ واضح رہے کہ 28 فروری 2026ء کو امریکہ نے اپنے چیلے، یہودی وجود کے ساتھ مل کر ایران کے خلاف ایک جارحیت کا آغاز کیا تھا جو تقریباً چالیس دن تک جاری رہی۔ اس جارحیت میں ایران کے تقریباً چالیس کے قریب اعلیٰ سیاسی اور عسکری عہدیدار ہلاک ہو گئے، جن میں ایران کے سپریم لیڈر علی خامنہ ای بھی شامل تھے۔ امریکہ کی جانب سے اس منصوبے کا مقصد ایرانی حکومت کا تختہ الٹنا تھا یا پھر ایران کو مدار میں گردش کرتی ایک ریاست کی حیثیت سے تبدیل کر کے ایک مکمل تابع فرمان اور ایجنٹ ریاست بنانا تھا۔ تاہم ایسا نہ ہو سکا۔ اس کے بعد پاکستان میں، ایران اور امریکہ کے مابین بالواسطہ مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں دونوں جانب سے مختلف تجاویز پیش کی گئیں۔ اور ان مذاکرات کے دوران امریکہ اور اس کے چیلے، یہودی وجود کی جارحیت اور ایران کے جوابی اقدامات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ تاہم اب تک کسی بھی تجویز پر حتمی اتفاقِ رائے نہیں ہو سکا ہے۔ اس تناظر میں، ایران کا موجودہ مؤقف کیا ہے؟ کیا وہ ایک آزاد و خود مختار ریاست بن چکا ہے، یا اب بھی مدار میں گردش کرتی ہوئی ایک ریاست ہے، یا پھر ان دونوں حالتوں

کے درمیان ڈانواں ڈول اور تذبذب کا شکار ہے؟ برائے مہربانی وضاحت فرمادیں! اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

جواب:

مذکورہ بالا سوالات کے جواب کی وضاحت کے لئے ہم درج ذیل نکات کا جائزہ لیں گے:

1- جب امریکہ نے 28 فروری 2026ء کو یہودی وجود کے ساتھ مل کر ایران کے خلاف جارحیت کا آغاز کیا اور ایران کے تقریباً 40 سیاسی و عسکری رہنماؤں کو قتل کر دیا، جن میں ملک کی اعلیٰ ترین شخصیت یعنی سپریم لیڈر علی خامنہ ای بھی شامل تھے، تو یہ اقدام اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ امریکہ ایران کی قیادت اور ان کی پالیسیوں سے مطمئن نہیں تھا۔ امریکہ اس قیادت کو ہٹانا اور ان پالیسیوں کو تبدیل کرنا چاہتا تھا، کیونکہ اس نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اس قیادت میں خود مختاری کے رجحانات پائے جاتے ہیں، لہٰذا وہ ایسی قیادت لانا چاہتا تھا جو اس کی تابع فرمان اور فرمانبردار ہو۔ مورخہ 04 اپریل، 2026ء کو ”ایران کے خلاف جنگی آپریشن“ کے عنوان سے ایک سوال کے جواب میں ہم نے کہا تھا، ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اور یہودی وجود کے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ جب انہوں نے ایران کے خلاف اپنی جارحیت کا آغاز کیا تو انہوں نے جنگ کے لئے ایک مختصر عرصہ مقرر کیا تھا جس کا اندازہ چار دن لگایا گیا تھا؛ جس میں ایک بڑے اور بھرپور حملے کے ذریعے ایران کی اعلیٰ قیادت، جوہری تنصیبات، میزائل فیکٹریوں اور لانچنگ سائٹس کو نشانہ بنانا شامل تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جیسے ہی حکومت کی اعلیٰ قیادت اور پہلی صفوں کے لیڈران نشانہ بنیں گے، تو دوسرے درجہ کے قائدین خود بخود ہار مان لیں گے اور ان کی شرائط مان لیں گے، جیسا کہ وینزویلا میں ہوا تھا کہ جب امریکی افواج نے اس کے صدر کو اغوا کر لیا تو نائب صدر اور ان کے ساتھیوں نے امریکہ کے سامنے سرنڈر کر دیا تھا۔ تاہم، ایران میں سپریم لیڈر علی خامنہ ای اور بعض دیگر اعلیٰ رہنماؤں کے قتل کے بعد ایسا نہیں ہوا۔ پاسدارانِ انقلاب ڈٹے رہے اور انہوں نے اس جارحیت کا مقابلہ کرنے اور دشمنوں پر جوابی حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ نتیجتاً، امریکہ اور ایران کے درمیان ایک واضح دراڑ پیدا ہو گئی، حالانکہ ایران پہلے امریکہ کے مدار میں ہی گردش کر رہا تھا۔ اور امریکہ تو اسی تعلق کو تبدیل کرنا چاہتا تھا؛ ورنہ وہ یہ جارحیت شروع ہی نہ کرتا اور نہ ہی یہودی وجود کو یہ اجازت دیتا کہ وہ سپریم لیڈر سمیت ایرانی حکومت کی اہم ترین شخصیات کو قتل کر دے۔ یہ عوامل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ امریکہ کا مقصد ایرانی حکومت کی پالیسی کو ایک سیٹلائٹ ریاست (مدار میں گھومنے والی) سے بدل کر ایک مکمل تابعدار ریاست بنانا تھا، تاکہ وہ ایران

کے ساتھ مذاکرات میں اپنی شرائط منوا سکے۔ تاہم، امریکہ یہ مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے اور اس نے جنگ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے"۔ لہٰذا، موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ ایران اور امریکہ کے درمیان تعلقات تقریباً مکمل طور پر منقطع ہو چکے ہیں، سوائے اس کے کہ دونوں ممالک کی وزارتِ خارجہ کے بعض حکام کے درمیان محدود ٹیلیفونک رابطے موجود ہیں، یا پھر پاکستان جیسے کسی تیسرے فریق کے ذریعے بالواسطہ پیغامات کا تبادلہ ہو جاتا ہے

2-ایرانی ردِ عمل مؤثر ثابت ہوا، کیونکہ ایران نے نہ تو پسپائی اختیار کی اور نہ ہی نیوکلئیر ہتھیاروں کے معاملے پر یا آبنائے ہرمز کے حوالے سے کوئی رعایت دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ ایرانی وزارتِ خارجہ نے کہا کہ اس کے جواب میں یہی مطالبہ کیا گیا تھا کہ 'تمام محاذوں پر جنگ بند کی جائے، جس میں لبنان بھی شامل ہے، نیز ایرانی بندرگاہوں پر امریکی بحری ناکہ بندی کے خاتمے اور برسوں قبل عائد پابندیوں کے تحت بیرونِ ملک منجمد کیے گئے ایرانی اثاثوں کی واپسی کی ضمانت کا مطالبہ بھی شامل ہے..'[العربیہ، 12 مئی 2026ء]۔ یہ سب عوامل اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ امریکی انتظامیہ نے ایران کے معاملے سے نمٹنے اور اسے ایک مطیع و فرمانبردار ریاست میں تبدیل کرنے کے لئے جو حربے اپنائے تھے، وہ سب ناکام ہو چکے ہیں؛ جس کی وجہ سے اب امریکی حکام ایرانی معاملے پر زیادہ صبر و تحمل پر مبنی نقطۂ نظر اپنانے کی تجاویز دے رہے ہیں۔

3-اب چونکہ ٹرمپ ایران کے خلاف اپنی 40 روزہ جارحیت اور قیادت کی پہلی و دوسری صف کے کئی رہنماؤں کو قتل کر دینے کے باوجود ایران کے حوالے سے اپنا بیان کردہ مقصد حاصل نہ کر سکا، تو اس لئے اس نے ایک 15 نکاتی منصوبے کا اعلان کیا ہے۔ اس منصوبے کے نکات سے یہ بالکل واضح ہے کہ یہ ایران کے لئے سرنڈر کرنے کا منصوبہ ہے! یعنی اس کا مطلب ایران کو اس کی مادی طاقت و قوت یعنی میزائل اور جوہری پروگرام سے محروم کرنا ہے... اسی لئے اس پر پاسدارانِ انقلاب کی طرف سے شدید ردِ عمل سامنے آیا، جنہوں نے ٹرمپ کے مطالبات کے آگے جھکنے سے صاف انکار کر دیا۔ جب ایران نے پیچھے ہٹنے سے انکار کر دیا اور اپنے موقف اور لڑنے کی تیاری پر اصرار کیا، تو امریکہ نے ایک معاہدے پر دستخط کے لئے مذاکرات کی بحالی کا اعلان کر دیا۔ امریکہ نے اپنے دوسرے اعلیٰ ترین عہدیدار، نائب صدر جے ڈی وینس (JD Vance) کو 11 اپریل 2026ء کو ایرانیوں سے مذاکرات کے لئے پاکستان بھیجا۔ وینس نے کہا، "اب گیند مکمل طور پر ان کے کورٹ میں ہے... آپ پوچھتے ہیں کہ آگے کیا ہو گا، میرا خیال ہے کہ اب ایرانی ہی طے کریں گے کہ آگے کیا ہونا ہے۔ میں صرف یہ نہیں کہوں گا کہ معاملات خراب ہوئے ہیں، بلکہ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ چیزیں ٹھیک بھی ہوئی ہیں۔ ہم نے بہت پیش رفت کی ہے... وہ ہمارے موقف کی طرف بڑھے ہیں، اسی لئے میرا خیال

ہے کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں کچھ اچھے اشارے ملے تھے، لیکن وہ اتنا آگے نہیں بڑھے جتنا آگے انہیں آنا چاہیے تھا... بہر حال ہمیں یہ سمجھنے کا موقع ملا کہ ایرانی کس طرح مذاکرات کرتے ہیں، اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کے باعث ہم پاکستان سے واپس چلے گئے... ہمیں جو بات سمجھ آئی وہ یہ ہے کہ، میرا خیال ہے -(ایران کی جانب سے) جو ٹیم وہاں موجود تھی، وہ کوئی حتمی معاہدہ کرنے کے قابل نہیں تھی... بہر حال ایرانیوں نے جو کچھ کر دیا ہے، وہ پوری دنیا کے خلاف اقتصادی دہشت گردی کی کارروائی ہے۔ انہوں نے بنیادی طور پر آبنائے ہرمز سے گزرنے والے ہر بحری جہاز کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ خیر، جیسا کہ صدرِ امریکہ نے دکھا دیا ہے، یہ کھیل دونوں طرف سے کھیلا جا سکتا ہے...“ [فاکس نیوز، 13 اپریل، 2026ء]۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب امریکی صدر نے دیکھا کہ ایران نے ان کی بعض شرائط قبول کر لی ہیں تو وہ مزید مطالبات کرنے پر بے تاب ہو گیا، جیسا کہ اس کے نائب صدر نے کہا، کہ صدر ٹرمپ ایران کے ساتھ کوئی محدود معاہدہ نہیں چاہتے، بلکہ وہ ایک جامع اور بڑے پیمانے کے معاہدے (Grand Bargain) کے خواہاں ہیں۔

4- بعد ازاں، ٹرمپ نے ایران کے ساتھ جنگ بندی میں غیر معینہ مدت تک توسیع کا اعلان کر دیا، اور یہ اعلان اس جنگ بندی کے ختم ہونے سے صرف چند گھنٹے پہلے کیا گیا جو اس نے تقریباً دو ہفتے قبل عائد کی تھی اور اس کی میعاد ختم ہونے ہی والی تھی۔ اس کے مطابق اس توسیع کا مقصد ”دونوں ممالک کو امن مذاکرات جاری رکھنے کا موقع فراہم کرنا“ تھا [الجزیرہ، 22 اپریل 2026ء]۔ تاہم، ایران نے دباؤ کے تحت مذاکرات کرنے سے انکار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اس کی بندرگاہوں پر امریکی ناکہ بندی ختم کی جائے۔ 20 اپریل، 2026ء کو ٹرمپ نے اپنے ٹروتھ سوشل (Truth Social) پلیٹ فارم پر، جون 2025ء میں یہودی وجود کی جانب سے یورینیم افزودگی کی تنصیبات پر کیے گئے حملوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا: ”آپریشن مڈنائٹ ہیمر (Midnight Hammer) نے ایران میں جوہری تنصیبات کو مکمل اور فیصلہ کن طور پر تباہ کر دیا تھا، لہٰذا وہاں سے مواد نکالنا ایک طویل اور دشوار عمل ہوگا“۔ یہ بیان دراصل ٹرمپ کے اس مطالبے میں نرمی لانے کی کوشش تھی کہ ایران اپنی افزودہ یورینیم کو امریکہ یا کسی تیسرے فریق کے حوالے کر دے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ (ٹرمپ) اپنے ملک کے مقاصد کو جنگ کے بجائے مذاکرات کے ذریعے حاصل کرنے کی طرف زیادہ مائل ہے، کیونکہ اس کے نزدیک جنگ کے ذریعے ان اہداف کا حصول آسان نہیں۔ یہی بات اس کے مؤقف میں آنے والی نرمی کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ جنگ بندی کسی مقررہ مدت کی پابند نہیں، اور تقریباً 441 کلو گرام ایسے یورینیم کو حاصل کرنا، جو 60 فیصد تک افزودہ کیا جا چکا ہے، ایک مشکل کام ثابت ہو رہا ہے۔

5- 13 اپریل، 2026ء کو، ایرانی وزیرِ خارجہ عباس عراقچی نے 'ایکس' (X) پلیٹ فارم پر پاکستان میں امریکہ کے ساتھ ہونے والے مذاکرات میں پیش رفت کا انکشاف کیا، جن میں وہ اپنے ملک کی جانب سے وفد کا حصہ تھے۔ انہوں نے بیان کیا، "47 برسوں میں اعلیٰ ترین سطح پر ہونے والے انتہائی اہم مذاکرات میں، ایران نے جنگ کے خاتمے کے لئے امریکہ کے ساتھ نیک نیتی سے بات چیت کی۔ لیکن جب ہم 'اسلام آباد مفاہمتی یادداشت (Islamabad MoU)' سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھے تو ہمیں مزید سے مزید تر مطالبات، مسلسل بدلتی ہوئی شرائط، اور ناکہ بندی کا سامنا کرنا پڑا"۔ عراقچی کا یہ بیان ٹرمپ کے نائب صدر کے اس مؤقف سے مطابقت رکھتا ہے کہ فریقین کسی حد تک ایک معاہدے کے قریب پہنچ چکے تھے، لیکن ٹرمپ اس سے زیادہ چاہتا تھا! وہ چاہتا ہے کہ ایران ہتھیار ڈال دے اور خطے کے دیگر ممالک کی طرح ایک تابع ریاست بن کر رہے۔ ٹرمپ نے مزید کہا کہ، "ان کی 'قیادت' کے اندر شدید اختلافات اور انتشار پایا جاتا ہے... کسی کو معلوم ہی نہیں کہ اصل اختیار کس کے پاس ہے، حتیٰ کہ خود انہیں بھی معلوم نہیں... اگر وہ بات چیت کرنا چاہتے ہیں تو انہیں صرف ایک فون کال ہی کرنی ہے!!!" (فاکس نیوز، 25 اپریل، 2026ء)۔

6- ایران اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے کہ ٹرمپ کی داخلی ملکی صورتحال کے پیشِ نظر اور نومبر میں ہونے والے کانگریس کے مڈٹرم انتخابات میں ٹرمپ کی ریپبلکن پارٹی کو ممکنہ ہار سے بچانے کے لئے، امریکہ ایک باضابطہ مکمل جنگ کئے بغیر کشیدگی کو کم کرنے کی اشد ضرورت محسوس کر رہا ہے۔ ان انتخابات میں شکست ٹرمپ کی صدارت پر منفی اثر ڈالے گی، کیونکہ اسے جنگیں لڑنے سمیت دیگر متعدد معاملات پر کانگریس کی منظوری درکار ہوتی ہے، نیز مڈٹرم انتخابات کی یہ شکست آئندہ دو سال بعد ہونے والی اس کی صدارتی مہم کو بھی متاثر کرے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ، ٹرمپ کے پیشِ نظر معاملات میں امریکہ میں ہونے والے فٹ بال ورلڈ کپ کی میزبانی بھی ہے، جس کا آغاز 11 جون 2026ء سے ہو رہا ہے۔ اسی بنا پر ایران نے اپنی پوزیشن کو مزید مضبوط بنانے کی کوشش کی ہے اور یہ اعلان کیا ہے کہ وہ امریکہ اور اس کے چیلے، یہودی وجود کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے کے لئے مکمل طور پر تیار ہے۔ یوں یہاں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایرانی حکومت کے اندر کا ایک دھڑا، یعنی پاسدارانِ انقلاب، اب اپنے بل بوتے پر اور اپنے فیصلے پر عمل پیرا ہے، اور وہ امریکہ سے آزادی کا خواہاں ہے؛ یہ گروہ اس سیاسی دھڑے کے برعکس ہے جو امریکہ کے ساتھ روابط رکھنا چاہتا ہے اور ایک ماتحت ریاست بنے بغیر نہ سہی لیکن بہرحال کم از کم امریکہ کے زیرِ اثر مدار میں رہ کر کام کرنے کا خواہش مند ہے۔

7- ٹرمپ نے ایران پر دباؤ ڈالنے کی کوشش میں ایک اور حربہ اپنایا۔ چنانچہ 4 مئی 2026 کو، اس نے "آپریشن پروجیکٹ فریڈم" (Operation Project Freedom) کے نام سے ایک مہم کا اعلان کیا، جس کا ظاہری مقصد ان

ممالک کے بحری جہازوں کی مدد کرنا تھا جنہیں اس نے غیر جانبدار قرار دیا تھا اور جو آبنائے ہرمز میں پھنسے ہوئے تھے اور جن کا مشرقِ وسطیٰ کے بحران سے کوئی تعلق نہیں تھا، تاکہ ان بحری جہازوں کو اس گزرگاہ سے گزرنے میں مدد کی جائے۔ لیکن جب یہ مہم ناکام ہوگئی، تو اس نے اس پروجیکٹ کو روک دیا اور 6 مئی 2026ء کو علی الصبح اپنے 'ٹروتھ سوشل' (Truth Social) پلیٹ فارم پر اس آپریشن کو معطل کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ، "پاکستان اور دیگر ممالک کی درخواست، ایران کے خلاف مہم کے دوران حاصل ہونے والی ہماری زبردست فوجی کامیابی، اور اس کے علاوہ اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ ایران کے نمائندوں کے ساتھ ایک مکمل اور حتمی معاہدے کی طرف بڑی اہم پیش رفت ہوئی ہے، چنانچہ ہم نے باہمی طور پر اتفاق کیا ہے کہ اگرچہ (بحری) ناکہ بندی پوری قوت کے ساتھ نافذ العمل رہے گی، لیکن 'پروجیکٹ فریڈم' (آبنائے ہرمز کے راستے بحری جہازوں کی نقل و حرکت) کو ایک مختصر مدت کے لئے روک دیا جائے گا تاکہ یہ دیکھا جاسکے کہ معاہدے کو حتمی شکل دے کر اس پر دستخط کیے جاسکتے ہیں یا نہیں..."

8- مورخہ 06 مئی، 2026ء کو امریکی نیوز ویب سائٹ Axios نے ایک پاکستانی ذرائع کے حوالے سے رپورٹ کرتے ہوئے بیان کیا کہ، "وائٹ ہاؤس کا خیال ہے کہ وہ ایران کے ساتھ جنگ کے خاتمے اور مزید تفصیلی نیوکلیئر مذاکرات کے لئے ایک فریم ورک طے کرنے کے مقصد سے ایک صفحے پر مشتمل مفاہمتی یادداشت (Memorandum of Understanding) کے معاہدے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ یہ بات دو امریکی حکام اور اس معاملے سے باخبر دو دیگر ذرائع نے بتائی ہے... دیگر شقوں کے علاوہ، اس معاہدے میں ایران کی جانب سے یورینیم افزودگی پر عارضی پابندی قبول کرنا، امریکہ کی جانب سے عائد کردہ پابندیاں اٹھانا اور منجمد ایرانی فنڈز میں سے اربوں ڈالر جاری کرنا، اور دونوں فریقوں کی جانب سے آبنائے ہرمز سے گزرنے والی آمدورفت پر عائد پابندیوں کو ختم کرنا شامل ہوگا"۔ اس بیان سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ٹرمپ ایران کے ساتھ جلد از جلد کسی معاہدے تک پہنچنے کا خواہاں ہے، کیونکہ دوبارہ جنگی کارروائیاں شروع کرنے کے لئے کانگریس کی منظوری درکار ہوگی، جس کا ملنا یقینی نہیں۔ مزید یہ کہ دوبارہ جنگ چھیڑ دینا غیر متوقع نتائج کا حامل ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ پہلے ہی اس راستے کو آزما چکا ہے اور ناکام رہا ہے۔ اسی طرح خلیج میں پھنسے ہوئے جہازوں کو بچانے کے لئے اس کا منصوبہ، آپریشن پروجیکٹ فریڈم، کامیاب ہونے میں طویل وقت لے سکتا ہے اور خطرات سے بھرپور ہے، کیونکہ ایران جوابی کارروائی کی دھمکیاں دے رہا ہے، جس سے ان جہازوں کی سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے جنہیں بچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ ٹرمپ، جو پراپرٹی کے کاروبار

سے وابستہ ایک معروف تاجر ہے، سیاسی معاملات میں بھی جلد از جلد اور منافع بخش سودے کرنا چاہتا ہے، گویا وہ سیاست کو بھی ایک کاروباری لین دین کی طرح سے ہی دیکھتا ہے!

9-امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اتوار کے روز اس جواب کو مسترد کرنے کا اعلان کیا ہے جو ایران نے خطے میں جنگ کے خاتمے کی امریکی تجویز پر پاکستانی ثالث کے ذریعے پیش کیا تھا۔ ٹرمپ نے اپنے ٹروتھ سوشل پلیٹ فارم پر ایک پوسٹ میں لکھا، ”میں نے ابھی ابھی ایران کے نام نہاد ”نمائندوں“ کی طرف سے بھیجا گیا جواب پڑھا ہے، یہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں آیا- یہ کسی صورت قابلِ قبول نہیں ہے“۔ ٹرمپ کی جانب سے ایرانی جواب کو مسترد کیے جانے پر اپنے پہلے ردعمل میں ایرانی ٹیلی ویژن نے کہا کہ، ”تہران نے جنگ کے خاتمے کی امریکی تجویز پر جو جواب دیا تھا، جسے ٹرمپ نے ناقابلِ قبول قرار دے دیا ہے، اس میں ایرانی عوام کے بنیادی حقوق پر اصرار کیا گیا تھا“۔ ایرانی ٹیلی ویژن نے مزید کہا کہ ”تہران نے امریکی تجویز کو اس لئے مسترد کیا کیونکہ اسے قبول کرنے کا مطلب ”سرنڈر کرنا“ تھا۔ ٹیلی ویژن نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ ایرانی جواب میں اس بات پر بھی زور دیا گیا تھا کہ امریکہ جنگ کا ہرجانہ ادا کرے، اور آبنائے ہرمز پر ایران کے مکمل کنٹرول اور خود مختاری کو قبول کرلے...“[العربي الجديد، 11 مئی، 2026ء]

10-ایران کے اس جواب نے امریکی صدر ٹرمپ کو غصہ دلا دیا، اس نے 12 مئی، 2026ء کو کہا: ”میں یہ کہوں گا کہ جنگ بندی اس وقت انتہائی نازک حالت میں ہے، بالکل ایسے جیسے کوئی ڈاکٹر آ کر کہے: ”جناب، آپ کے عزیز کے زندہ بچنے کے امکانات تقریباً صرف 1 فیصد رہ گئے ہیں“۔ ٹرمپ نے مزید کہا، ”ان کا خیال ہے کہ میں اس معاملے سے تھک جاؤں گا، یا اکتا جاؤں گا، یا مجھ پر کسی قسم کا پریشر پڑے گا — لیکن ہرگز کوئی پریشر نہیں ہے، بالکل بھی کوئی پریشر نہیں“۔ اس نے یہ بھی کہا: ”کچرے کا وہ ٹکڑا جو انہوں نے ہمیں بھیجا ہے، اسے پڑھنے کے بعد میں اسے اس وقت کی کمزور ترین پوزیشن کہوں گا- میں نے تو اسے پورا پڑھنا بھی گوارا نہیں کیا...“[الشرق الاوسط، 12 مئی، 2026ء]۔ تاہم، ٹرمپ نے یہ بھی کہا، ”میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں ایران کے معاملے میں کسی کی مدد کی ضرورت ہے“، اور اس نے اعلان کیا کہ امریکہ یہ جنگ ”کسی نہ کسی طریقے سے“ جیت ہی جائے گا۔ اس نے مزید کہا، ”مجھے صرف یہ پرواہ ہے کہ: ہم ایران کو کسی صورت میں بھی نیوکلئیر ہتھیار رکھنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے، اور یہ بات قطعی طے شدہ ہے۔ اور صرف یہی ایسا معاملہ ہے جو مجھے متحرک رکھتا ہے“[الجزیرہ، 12 مئی، 2026ء]۔

11-اس کے بعد فریقین نے معاہدے میں ترمیم یا اسے بہتر بنانے کے بارے میں بات چیت شروع کر دی۔ نیوز ویب سائٹ، Axios کی ایک رپورٹ، جس کا 23 مئی، 2026ء کو 'النجاح نیوز' نے حوالہ دیا، اس رپورٹ کے مطابق ایک امریکی عہدیدار نے کہا: ”امریکہ اور ایران جس معاہدے پر دستخط کرنے کے قریب ہیں، اس میں 60 روزہ جنگ بندی میں توسیع شامل ہے۔ اس مدت کے دوران آبنائے ہرمز کو دوبارہ کھول دیا جائے گا، ایران آزادانہ طور پر تیل فروخت کر سکے گا، اور ایران کے جوہری پروگرام کو محدود کرنے کے بارے میں مذاکرات کیے جائیں گے“۔ اسی امریکی عہدیدار کے مطابق، ... ”اس 60 روزہ مدت کے دوران آبنائے ہرمز کھلی رہے گی، وہاں کسی قسم کا ٹول یا محصول عائد نہیں ہو گا، اور ایران اس آبنائے میں بچھائی گئی بارودی سرنگوں کو ہٹانے پر رضامند ہو گا تاکہ جہاز آزادانہ طور پر گزر سکیں“۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ آزادئ جہازرانی (جہازوں کی نقل و حرکت میں آزادی) مجوزہ معاہدے کی بنیاد ہو گی۔ اس کے بدلے میں امریکہ ایرانی بندرگاہوں پر عائد ناکہ بندی ختم کرے گا اور بعض دیگر پابندیوں میں چھوٹ دے گا تاکہ ایران آزادانہ طور پر اپنا تیل فروخت کر سکے۔ رپورٹ کے مطابق معاہدے کے مسودے میں یہ شقیں بھی شامل ہیں کہ ایران کبھی بھی نیوکلیئر ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ ایران اپنے یورینیم افزودگی پروگرام کی معطلی پر مذاکرات کرے گا، اور تقریباً مکمل طور پر افزودہ کردہ یورینیم کے اپنے ذخائر کو ختم کرنے کے بارے میں بھی بات چیت کرے گا۔ Axios کی اس رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ امریکہ 60 روزہ مدت کے اندر ایران پر عائد پابندیوں کے خاتمے اور منجمد ایرانی فنڈز کی بحالی کے حوالے سے مذاکرات کرنے پر آمادہ ہو گا۔ تاہم، رپورٹ کے مطابق، اس خبر پر وائٹ ہاؤس کی جانب سے ابھی تک کوئی باضابطہ ردِ عمل سامنے نہیں آیا تھا۔

12-العربیہ نے 29 مئی 2026ء کو رائٹرز (Reuters) کا حوالہ دیتے ہوئے رپورٹ کیا کہ امریکہ اور ایران جنگ بندی میں توسیع، آبنائے ہرمز میں جہاز رانی پر عائد پابندیوں کے خاتمے، ایرانی بندرگاہوں پر امریکی ناکہ بندی کے خاتمے، اور ایران پر عائد بعض پابندیوں کو اٹھانے کے بارے میں ایک معاہدے تک پہنچ گئے ہیں۔ تاہم، اس معاہدے کو ابھی حتمی شکل نہیں دی گئی۔ رپورٹ کے مطابق، اگر یہ معاہدہ طے پا جاتا ہے تو یہ اس جنگ کے خاتمے کی جانب ایک بڑا قدم ہو گا، جس نے دنیا کو توانائی کے بحران سے دوچار کر دیا ہے۔ تاہم، ایران کے جوہری پروگرام سے متعلق بنیادی اختلافات پر آئندہ چند ہفتوں میں ہونے والے مذاکرات میں ہی بات چیت کی جائے گی۔ ٹرمپ کے نائب صدر، جے ڈی وینس (JD Vance) نے جمعرات 28 مئی، 2026ء کو کہا: ”ہم ابھی (حتمی نتیجے تک) نہیں پہنچے ہیں، لیکن ہم اس کے بہت قریب ہیں اور ہم اس پر کام جاری رکھیں گے“۔ ایران نے ابھی تک اس پر کوئی باضابطہ تبصرہ نہیں کیا ہے۔ تاہم، ایران کی نیم

سرکاری نیوز ایجنسی 'تسنیم' نے مذاکراتی ٹیم کے ایک قریبی ذرائع کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ معاہدے کا متن ابھی تک نہ تو حتمی ہوا ہے اور نہ ہی اس کی تصدیق کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ 2015ء میں ایران کے جوہری پروگرام سے متعلق کسی معاہدے تک پہنچنے کے لئے اسپیشلسٹ اور ماہرین کی بڑی ٹیموں کے درمیان کئی سال تک مذاکرات جاری رہے تھے۔ بعد ازاں، ٹرمپ نے اپنی پہلی صدارتی مدت کے دوران 2018ء میں اس معاہدے سے امریکہ کو الگ کر لیا تھا۔ [العربیہ، 29 مئی، 2026ء]

13- وائٹ ہاؤس نے کہا ہے کہ صدر ٹرمپ تہران کے ساتھ اس وقت تک کوئی معاہدہ نہیں کریں گے جب تک ان کی تمام شرائط پوری نہ ہو جائیں۔ ویب سائٹ Axios نے امریکی انتظامیہ کے ایک عہدیدار کے حوالے سے رپورٹ کیا کہ ایران کے ساتھ معاہدے کے اعلان میں کئی دن یا ایک ہفتے سے زیادہ وقت لگ سکتا ہے، یہاں تک کہ صدر ٹرمپ اپنی مطلوبہ شرائط منوالیں۔ ویب سائٹ کے مطابق، ٹرمپ کے تحفظات میں چند ایسے نکات شامل ہیں جن میں وہ معاہدے میں ترمیم چاہتے ہیں، جیسا کہ: آبنائے ہرمز کو مکمل طور پر کھولنا، امریکہ کو افزودہ یورینیم حاصل ہونا، اور ایران کے جوہری پروگرام سے متعلق مسودۂ معاہدہ میں مزید تبدیلیاں۔ اسی دوران، The New York Times نے رپورٹ کیا کہ ٹرمپ کی نئی ترامیم، پاکستانی ثالثوں کی شرکت کے ساتھ، غور و خوض کے لئے دوبارہ تہران بھیج دی گئی ہیں تاکہ ایرانی قیادت ان پر فیصلہ کر سکے۔ ساتھ ہی انہوں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ایران کے نئے رہبر اعلیٰ مجتبیٰ خامنہ ای کے ساتھ براہِ راست رابطے کی دشواری کے باعث معاہدے کے باضابطہ اعلان میں مزید تاخیر کا امکان ہے۔ دریں اثناء، امریکی سنٹرل کمانڈ (USCENTCOM) ایرانی بندرگاہوں پر اپنی بحری ناکہ بندی مسلسل سخت کر رہی ہے...] الجزیرہ، 31 مئی، 2026ء]۔

14- دریں اثنا، جبکہ ٹرمپ اور ایران کے درمیان معاہدہ تاحال غیر یقینی صورتحال کا شکار ہے، اسی دوران، یہودی وجود نے جنوبی لبنان کے خلاف اپنی جارحیت جاری رکھی ہوئی ہے:

الف) ”'اسرائیلی' فوج نے بیان دیا کہ اس نے بھاری توپ خانے اور فضائی مدد کے ساتھ ہونے والی شدید جھڑپوں کے بعد قلعة الشقيف (Beaufort Castle) پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ کارروائی فروری 2026ء کے اواخر میں امریکہ-'اسرائیل'-ایران جنگ کے تناظر میں حزب اللہ کے ساتھ چھڑنے والے تصادم کے حصے کے طور پر النبطية،

وادي السلوقي، اور وادي الحجير کے علاقوں میں ہونے والی وسیع پیمانے کی کشیدگی کے ساتھ ہی سامنے آئی ہے... “ [الجزیرہ، یکم جون، 2026ء]۔

ب)”وزیرِ اعظم نیتن یاہو کی جانب سے فوجی کشیدگی کی ہدایات کے اعلان کے چند گھنٹے بعد 'اسرائیلی' فوج نے بیروت کے جنوبی مضافاتی علاقوں (ضاحیہ) کے رہائشیوں کے لئے علاقہ خالی کرنے کی وارننگ جاری کی۔ پیر کی سہ پہر جاری ہونے والے ایک بیان میں 'اسرائیلی' فوج نے کہا کہ اگر حزب اللہ نے 'اسرائیلی' شہروں اور قصبوں پر راکٹ فائر کرنا جاری رکھا، تو وہ جواب میں بیروت کے جنوبی مضافاتی علاقوں میں اہداف کو نشانہ بنائے گی... “ [الجزیرہ، یکم جون، 2026ء]۔

ج) اگرچہ 'العربیہ نیٹ' نے 02 جون، 2026ء کو یہ خبر شائع کی کہ امریکی صدر ٹرمپ نے ”ایک فون کال میں اشارہ دیا تھا کہ ایک معمولی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا، لیکن انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ انہوں نے اس سے بہت جلدی نمٹ لیا ہے، اور وضاحت کی کہ یہ معاملہ لبنان پر 'اسرائیلی' حملوں کے حوالے سے ایرانی ناراضگی سے متعلق تھا، اور مزید کہا کہ، ”اس لئے، میں نے حزب اللہ سے بات کی، اور میں نے کہا کوئی گولی نہیں چلے گی، اور میں نے اسرائیلی وزیرِ اعظم بنجمن نیتن یاہو سے بات کی، اور کہا، کوئی فائرنگ نہیں ہو گی، اور ان دونوں نے ایک دوسرے پر فائرنگ کرنا بند کر دی... “ [العربیہ نیٹ، 02 جون، 2026ء]۔ تاہم، یہودی وجود نے اس ہدایت پر پورے لبنان تک کے لئے عمل نہیں کیا بلکہ صرف بیروت کے جنوبی مضافاتی علاقوں تک ہی محدود رکھا، جبکہ جنوبی لبنان کے خلاف اپنی کارروائیاں جاری رکھیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب ٹرمپ کی رضامندی اور حمایت سے ہی ہو رہا ہے، کیونکہ اسرائیل ٹرمپ کی ہدایات سے انحراف نہیں کر سکتا، اور اسی تناظر میں جنوبی لبنان پر حملے جاری رہے۔ اس حوالے سے ”'اسرائیل کے بارے میں ہمارا مؤقف تبدیل نہیں ہو گا' کے عنوان کے تحت، نیتن یاہو نے کہا کہ اس نے ٹرمپ کو آگاہ کر دیا تھا کہ اگر حزب اللہ نے ”اسرائیل“ پر حملے بند نہ کئے تو اس کی افواج بیروت کو نشانہ بناتی رہیں گی۔ اس نے اپنے دفتر کے جاری کردہ بیان کے مطابق مزید کہا کہ، ”اس معاملے پر ہمارا مؤقف تبدیل نہیں ہوا، اور اسی وقت اسرائیلی فوج جنوبی لبنان میں اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق کارروائیاں جاری رکھے گی“ [انڈیپنڈنٹ عربیہ، 02 جون، 2026ء]۔ اسی طرح ”جنوبی لبنان میں اسرائیل اور حزب اللہ کے درمیان رات بھر جھڑپیں جاری رہیں، حالانکہ ٹرمپ نے اعلان کیا تھا کہ دونوں فریق جنگ بندی پر متفق ہو گئے ہیں، اور آج واشنگٹن میں لبنان اور اسرائیل کے درمیان مذاکرات کے نئے دور کا انعقاد ہونا ہے“ [بی بی سی، 02 جون، 2026ء]

15- چنانچہ واقعات کے اس تسلسل اور ان کے نتائج سے درج ذیل امور واضح ہو جاتے ہیں:

الف) ایران اور امریکہ کے درمیان ناچاقی برقرار ہے، اور موجودہ حالات میں ان دونوں کے درمیان ایسا کوئی ربط اور میل جول نہیں ہے جس کے تحت ایران خطے میں ماضی کی طرح امریکہ کی ایک سیٹلائیٹ ریاست کے طور پر مل کر کام کرتا رہے۔ یہ بات خاص طور پر اس لئے درست ہے کیونکہ اب ایران میں حکومت پر پاسدارانِ انقلاب کا کنٹرول ہے، اور وہ آزادی و خودمختاری کے لئے زور دے رہے ہیں، جس کا مطلب امریکی دائرہ اثر میں واپس جانے سے انکار ہے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ حکومت پر ان کا کنٹرول برقرار رہے گا، کیونکہ نئے رہبرِ اعلیٰ، مجتبیٰ خامنہ ای کے انتخاب میں ان کا کلیدی کردار تھا۔ اسی طرح حکمرانی کے اہم ترین معاملات، جیسے کہ جنگ اور اندرونی بغاوتوں کو کچلنے کے لئے، نئے رہبرِ اعلیٰ اپنی حکومت برقرار رکھنے کی خاطر انہی پر انحصار کرتے ہیں۔ اگرچہ ایران میں سیاسی طبقہ اب بھی موجود ہے— جس میں صدر، وزیرِ خارجہ اور پارلیمنٹ کے اسپیکر شامل ہیں —اور اگرچہ ان کا حتمی مقصد ایران کو دوبارہ امریکی دائرہ اثر میں واپس لانا ہے، لیکن ان کا حقیقی اثر و رسوخ پاسدارانِ انقلاب کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔

ب) اس کے برعکس، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اب تک ایران کی حکومت کو اپنے تابع بنانے میں ناکام رہا ہے، جیسا کہ اس نے مسلم ممالک کی دیگر کٹھ پتلی حکومتوں کو اپنا مطیع بنا رکھا ہے۔ اپنی ناکامیوں کے باوجود، ٹرمپ اب بھی اس بات پر بضد ہے کہ ایرانی حکومت اس کے تابع ہو جائے، نہ کہ صرف اس کے دائرہ اثر کے گرد ہی گھومتی رہے جیسے وہ کبھی ماضی میں ہوا کرتی تھی۔ وہ ایران سے سب کچھ منوانا چاہتا ہے—اپنی شرائط کا 100 فیصد، نہ کہ 90 یا 95 فیصد، جیسا کہ وہ خود کہتا ہے: ”وہ اس طرح آئے جیسے سارے پتے (کارڈز) ان کے ہاتھ میں ہوں، لیکن پتے ان کے پاس نہیں ہیں... میری پیش گوئی ہے کہ وہ واپس آئیں گے اور ہمیں وہ سب کچھ دیں گے جو ہم چاہتے ہیں... مجھے 95 فیصد نہیں چاہیے۔ میں نے انہیں بتا دیا ہے۔ مجھے سب کچھ چاہیے“ [ٹی وی لبنان، 12 اپریل، 2026ء]۔ اور آج ہی، بدھ 3 جون 2026ء کو ٹرمپ نے کہا: ”ایران کی صورتحال تیزی سے بدل رہی ہے—اور یہ بہت اچھی ہوگی“، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایران نیوکلئیر ہتھیار نہ رکھنے پر راضی ہو گیا ہے...“ [العربیہ، 03 جون، 2026ء]۔ اگرچہ ٹرمپ کے بیانات ہمیشہ مکمل طور پر درست نہیں ہوتے، لیکن یہ اس کے اعلانیہ موقف ہیں: وہ چاہتا ہے کہ ایران ایک ماتحت ریاست بن جائے جو اس کی مخالفت نہ کرے، حالانکہ ٹرمپ اس سلسلے میں اب تک ناکام رہا ہے! اپنی اس ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے، وہ الفاظ کا ہیر پھیر کرتا رہتا ہے، بار بار معاہدوں کی تجاویز پیش کرتا ہے اور بعد میں خود ہی ان کی مخالفت کرنے لگتا ہے... اور یہی سلسلہ چل رہا ہے!

ج) جہاں تک اس امر کا تعلق ہے جو ٹرمپ اور اس جیسے دیگر غیر مسلم استعماری طاقتوں کو، اگر انہوں نے مسلم سرزمینوں پر جارحیت کے بارے میں محض سوچا بھی تو ان کی کمر توڑ کر رکھ دے گا، اور ہر کافر کو واپس اس کی کمین گاہ تک دبکا دے گا—اگر اس کے پاس اب بھی کوئی باقی بچا ہو—تو وہ امر، خلافتِ راشدہ کا دوبارہ قیام ہے۔ اور خلافت، ان شاء اللہ، ضرور قائم ہو کر رہے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِینَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ ”اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت (اقتدار کی جانشینی) عطا فرمائے گا“ [سورۃ النور؛ 24:55]۔ اور یہ اس جابرانہ دورِ حکومت کے بعد، جس میں ہم جی رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے دی گئی بشارت اور خوشخبری ہے۔ امام احمدؒ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ» ”پھر جابرانہ بادشاہت (ظالم دورِ حکومت) ہو گی، اور یہ تب تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا کہ یہ رہے۔ پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا۔ پھر عین نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہو گی۔ اس کے بعد آپ ﷺ خاموش ہو گئے“**۔ چنانچہ، ایک ایسا خلیفہ ہو گا جس کے پیچھے رہ کر مسلمان مل کر لڑیں گے اور اس کے ذریعے سے ہی وہ محفوظ رہیں گے، یوں اسلام اور مسلمانوں کو عزت ملے گی اور کفر و کفار ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: **﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ”اور اس دن مومنین خوش ہوں گے، اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے، اور وہی نہایت غالب، بہت رحم فرمانے والا ہے“** [سورۃ الروم؛ 30:4-5]۔

17 ذي الحجۃ، 1447ھ

بمطابق، 03 جون، 2026ء

خلیفہ راشد: یہی وہ کمی ہے جو ہمیں درپیش ہے۔

خليفة راشد
هذا ما ينقصنا

یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ مغرب کتنا کمزور ہے اور وہ کس قدر مسلمانوں اور ان کے وسائل پر انحصار کرتا ہے۔ برطانیہ، جو یورپ کی سب سے طاقتور اور بڑی استعماری قوت ہے، قطری گیس کی فراہمی میں صرف دو دن کا تعطل بھی برداشت نہ کر سکا، گویا قطر برطانیہ کے پچھلے باغیچے میں اس کے روزمرہ کے استعمال کے لیے محض ایک اسٹوریج ٹینک ہو۔ یہی حال یورپ کی دوسری طاقتور ترین ریاست فرانس کا ہے، جس کے حکام اس شدید ضرورت کا اظہار کر رہے ہیں کہ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جنگ کب ختم ہو گی تاکہ وہ اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ انہیں اپنے اسٹریٹجک تیل کے ذخائر سے کتنا حصہ نکالنا پڑے گا۔ دیگر یورپی ممالک کی اسی طرح کی تشویش تو اس سے بھی زیادہ قابلِ فہم ہے کیونکہ وہ تو اس سے بھی زیادہ کمزور اور نازک پوزیشن میں ہیں۔ مسلمانوں کا تیل اور گیس مغربی استعماری طاقتوں کے لیے روزمرہ کے ایندھن کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ صورتحال دو حقیقتوں کی تصدیق کرتی ہے:

اول: مسلم امت ایک ایسی اسٹریٹیجک جنس (توانائی) کی مالک ہے جسے اگر درست طریقے سے سنبھالا جائے تو یہ امت کو مغرب کی معاشی زندگی کے کلیدی ستونوں پر اثر انداز ہونے کے قابل بنا سکتی ہے، جس سے وہ اپنی مرضی کی شرائط، فرائض اور ضوابط منوا سکتی ہے، اور یوں ایک ماتحت کے بجائے ایک برابر کی طاقت بن سکتی ہے۔

دوم: استعماری طاقتیں مسلم ممالک کی دولت اور وسائل کے سہارے زندہ ہیں۔ ان کی معاشی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی کا دارومدار ان چیزوں پر ہے جو انہیں مسلم ممالک سے حاصل ہوتی ہیں۔ یہ صرف تیل اور گیس تک محدود نہیں، اگرچہ یہ سب سے نمایاں مثالیں ہیں؛ بلکہ اس میں معدنیات، زرعی مصنوعات، کیمیکلز، کھادیں اور دیگر بہت سے وسائل بھی شامل ہیں۔ یہ بات تو تب بھی سچ ہے اگر یہ وسائل ان کی اصل قیمت پر خریدے جائیں۔ تو پھر اس وقت کیا عالم ہو گا جب ہم یہ تسلیم کر لیں کہ استعماری طاقتیں اکثر انہیں ایسی ترتیبوں کے ذریعے معمولی قیمتوں پر حاصل کر لیتی ہیں جو حقیقی تجارتی لین دین کے بجائے عطیات اور خیرات سے زیادہ مشابہت رکھتی ہیں؟

درحقیقت، مغرب بودا اور کمزور ہے جو مسلم امت کے وجود پر طفیلیوں (parasites) کی طرح پل رہا ہے۔ اگر مسلم دنیا کی گہرائی تک پھیلی ہوئی ان کی شہ رگیں کاٹ دی جائیں تو ان کی ریاستیں فوراً شدید مشکلات کا شکار ہو جائیں گی۔ جنگ کے چند دنوں نے پہلے ہی اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، بالکل اسی طرح جیسے انہوں نے ناقابلِ تسخیر مغربی فوجی طاقت کے افسانے کو بھی فاش کر دیا ہے۔

مسلم امت کے پاس وہ تمام وسائل، صلاحیتیں اور افواج موجود ہیں جو اسے استعماری طاقتوں کی محتاجی سے آزاد کرانے اور یہاں تک کہ بین الاقوامی سطح پر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ جس چیز کی کمی ہے وہ ایک مخلص قیادت ہے جو اس کے معاملات کا چارج سنبھالے، یعنی وہ خلیفہ راشد جو اس کی صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لا کر اسے دنیا کی قیادت کے اس مقام پر واپس لے جائے جس کی وہ حقدار ہے، جیسا کہ وہ کئی صدیوں تک اس منصب پر فائز رہی تھی۔

﴿وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ "اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب آنے والا ہے"۔ (سورۃ الصافات: 173)

حقیقی تبدیلی جڑوں سے شروع ہوتی ہے

حقیقی حل تصورات کی تبدیلی اور درستی، شریعت کی حاکمیت کی بحالی اور ایک ایسی ریاست کے قیام سے شروع ہوتا ہے جو اسلام کو اس کی تمام تر تفصیلات کے ساتھ، بغیر کسی کمی کے، نافذ کرے۔ یہ موجودہ نظام میں شمولیت یا اس کے قوانین میں پیوند کاری کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ، اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کار پر مبنی ایک نظریاتی سیاسی جدوجہد کی ضرورت ہے: ایک فکری کشمکش جو بنیاد کے فساد کو بے نقاب کرے، اور ایک سیاسی جدوجہد جو حکمرانوں کی سازشوں کو فاش کرے، اور اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسی نئی اتھارٹی کے قیام کے لیے نصرۃ (عسکری مدد) طلب کرنا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نازل کردہ وحی کے مطابق حکومت کرے۔

امت کو یہ ادراک کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کی تکالیف محض تقدیر کا معاملہ نہیں ہیں اور نہ ہی یہ عارضی غلطیوں کا نتیجہ ہیں۔ بلکہ، یہ ایک ناقص نظریۂ حیات کا فطری نتیجہ ہیں۔ بنیادی تبدیلی میں جتنی تاخیر ہوگی، بحرانوں کا یہ چکر اتنا ہی طویل ہوتا جائے گا۔ البتہ، اگر یہ وسیع سیاسی شعور بیدار ہو جائے کہ اسلام ہی وہ جامع متبادل ہے، اور اگر اس شعور کو نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے ایک منظم منصوبے میں تبدیل کر دیا جائے، تو حالات کا دھارا بدل جائے گا۔

پیوند کاری سے کبھی کوئی بیداری پیدا نہیں ہوتی، اور علامتی علاج کسی دائمی بیماری کو ختم نہیں کرتے۔ حقیقی تبدیلی جڑوں سے شروع ہوتی ہے: یعنی اللہ کی نازل کردہ تمام وحی کے مطابق حکمرانی کو زندگی کے تمام پہلوؤں کی بنیاد بنا کر۔ صرف تب ہی حقیقی استحکام، عوام کے معاملات کی مخلصانہ نگہبانی، اور ایک ایسی بیداری پر بامعنی گفتگو ہو سکتی ہے جو درآمد شدہ نسخوں کے بجائے امت کے اپنے عقیدے سے پھوٹی ہو۔

اے مسلمانو! ایک نیا عالمی نظام قائم کرنے کے لیے آپ سے زیادہ کوئی موزوں نہیں ہے

بین الاقوامی قانون کا وجود اس معنی میں تو ممکن ہے کہ ایسے قوانین ہوں جو مختلف معاشروں اور سیاسی اکائیوں کے درمیان نافذ العمل ہوں۔ تاہم، یہ بات درست نہیں ہے کہ کوئی ایک ہی عالمی ریاست ہو جو پوری دنیا کے معاملات کو کنٹرول کرے، کیونکہ ہر ریاست اپنی اتھارٹی اور خود مختاری رکھتی ہے، اور کسی دوسری ریاست کو اس پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوتی۔

اس کے بجائے، ایسی بین الاقوامی روایات اور معاہدے ہو سکتے ہیں جنہیں ریاستیں اپنے باہمی تعلقات میں مشترکہ مفاد کے معاملات کو منظم کرنے کے لیے اختیار کرتی ہیں۔ اس کی ایک مثال 'حلف الفضول' ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی نبوت سے پہلے شرکت فرمائی تھی۔ اس اتحاد میں کئی عرب قبائل مظلوم کی مدد کے لیے متحد ہوئے تھے۔ اپنی

نبوت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **«لَقَدْ شَهِدْتُ فِي دَارِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُدْعَانَ حِلْفاً، مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِهِ حُمْرَ النَّعَمِ، وَلَوْ أُدْعَى بِهِ فِي الْإِسْلَامِ لَأَجَبْتُ»** "میں نے عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدے میں شرکت کی تھی کہ مجھے اس کے بدلے میں سرخ اونٹ (جو اس وقت کا قیمتی ترین اثاثہ تھے) ملنا بھی پسند نہیں تھا۔ اور اگر اسلام میں بھی مجھے اس جیسے کسی معاہدے کی طرف بلایا جائے تو میں ضرور لبیک کہوں گا" (سنن الکبریٰ للبیہقی)۔

اسی مناسبت سے، اے مسلمانو! ایک ایسا عالمی نظام قائم کرنے کے لیے آپ سے زیادہ کوئی موزوں نہیں ہے جس کی بنیاد عدل، انصاف، مظلوموں کی حمایت اور مصیبت زدہ لوگوں کی فریادرسی پر ہو۔ کیونکہ صرف آپ ہی وہ لوگ ہیں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اس صحیح نظریے (آیڈیالوجی) کے وارث ہیں جس نے بارہ صدیوں سے زیادہ عرصے تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکمرانی کی تھی۔ اس دور میں دنیا نے اسلام کا عدل و انصاف دیکھا، مظلوموں کی پشت پناہی دیکھی، اور مذہب، نسل، قوم یا سماجی رتبے کی تفریق کے بغیر ضرورت مندوں کی مدد کا مشاہدہ کیا۔

اس حقیقت کی گواہی دور اور نزدیک کے لوگوں، بلکہ دوستوں سے پہلے دشمنوں نے بھی دی ہے۔ اے مسلمانو! آپ ہی وہ لوگ ہیں جن سے دنیا بھر کے کمزور اور ستم رسیدہ لوگ اس سرمایہ دارانہ نظام سے نجات اور انصاف کی امید لگائے بیٹھے ہیں جس نے بڑی طاقتوں کے چند سرمایہ داروں کے مفاد کے لیے ان کا استحصال کیا ہے۔

یہ مت کہو کہ تم کمزور ہو یا گروہوں میں بٹے ہوئے ہو۔ اس کے بجائے، تم نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم کر کے پہل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہو، جس کی طرف حزب التحریر تمہیں پکارتی ہے۔ اسی خلافت میں تمہاری دنیا کی عزت اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اسی میں انسانیت کو سرمایہ دارانہ نظام کی زیادتیوں سے نجات دلانا مقصود ہے۔ لہٰذا، حزب التحریر کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے، اس کی حمایت کرنے اور اس کی بیعت کرنے میں جلدی کریں۔

ٹرمپ کے حالیہ دورہ چین پر ایک تجزیہ

تحریر: استاد ابو المعتز باللہ الاشقر –(ترجمہ)

امریکہ، روس اور چین کے درمیان کسی بھی قسم کے اتحاد یا اشتراک کو روکنے کی تگ و دو کر رہا ہے، اور ان کے مابین قربت کے عوامل کو ختم کرنے کی مسلسل کوششیں کر رہا ہے۔ کبھی وہ ماسکو کو مائل کرنے کے لیے یوکرین کے لیے اپنی فوجی امداد بند کرنے کا امکان ظاہر کرتا ہے، یا اسے کہیں نہ کہیں فوجی اڈہ بنانے کی اجازت دینے کی تجویز دیتا ہے تاکہ ایک بڑی طاقت کے طور پر روس کی حیثیت مستحکم ہو سکے۔ دوسری طرف، وہ کبھی بیجنگ کو خوش کرنے کے لیے 'متحدہ چین' کی حمایت میں بیانات جاری کرتا ہے اور تائیوان کو علیحدگی سے روکتا ہے۔ اس تعلق کو توڑنے کی کوشش میں امریکہ کے پاس ایک کامیاب تاریخی مثال موجود ہے۔ 1960 کی دہائی کے اوائل میں، خاص طور پر 1961 میں خروشیف اور کینیڈی کے درمیان ہونے والی سربراہی ملاقات میں، جہاں دنیا کو دو کیمپوں اور اثر و رسوخ کے حلقوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ان دونوں رہنماؤں کے درمیان ہونے والی بات چیت میں کمیونسٹ چین کا ذکر موجود تھا۔

تاریخی طور پر، امریکی حکمت عملی کی بنیاد ایک ایسے متحد مشرقی بلاک کی تشکیل کو روکنے پر ہے جس میں چین اور روس شامل ہوں۔ تاہم، اب روس اور چین نے یہ دیکھنا شروع کر دیا ہے کہ امریکی سلطنت زوال کی راہ پر گامزن ہے، اور وہ

اندرونی مسائل کا شکار ہے، اور اس کے عوام کے درمیان تقسیم، خاص طور پر ڈیموکریٹک اور ریپبلکن پارٹیوں کے درمیان، اس بات کا اشارہ ہے کہ دنیا اب امریکہ سے رخ موڑنے والی ہے۔ دنیا کی صفِ اول کی طاقت رہنے کے باوجود، امریکہ اپنی مہلک غلطیوں میں پھنسا ہوا ہے، جن میں تازہ ترین ایران کے خلاف اس کی جنگ ہے، جس نے اسے دنیا کی نظروں میں تماشا بنا دیا ہے۔ یہ تمام عوامل دنیا کی قیادت کرنے والی طاقت کے طور پر امریکہ کی حیثیت کو کم کرنے کا خطرہ پیدا کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے بیجنگ اور ماسکو دونوں کے لیے باہمی تعاون یا اتحاد ناگزیر اور انتہائی اہم ہو گیا ہے۔

روس اور چین کے درمیان تعلقات کی بنیاد بنیادی طور پر مسابقت پر ہے، خاص طور پر اثر و رسوخ کے مشترکہ علاقوں جیسے وسطی ایشیا میں، جسے روس اپنا 'پچھلا صحن' (بیک یارڈ) سمجھتا ہے جبکہ چین اسے اپنے 'بیلٹ اینڈ روڈ' منصوبے کے لیے ایک اہم راستہ قرار دیتا ہے۔ امریکہ کا ماننا ہے کہ ان تاریخی تضادات اور خدشات کا فائدہ اٹھا کر ان کے درمیان ایک جامع اسٹریٹجک فوجی اتحاد کی تشکیل کو روکا جا سکتا ہے۔ اسی لیے، امریکہ مسلسل دونوں ممالک کے درمیان خلیج کو وسیع کرنے کے لیے کام کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس وقت جو چیز انہیں متحد کیے ہوئے ہے وہ امریکہ کے خلاف ان کی مشترکہ دشمنی ہے، نہ کہ مشترکہ مفادات یا بنیادی اتفاقِ رائے۔ امریکہ دونوں ممالک پر دباؤ ڈالنے کے لیے متعدد مؤثر ذرائع رکھتا ہے، جن میں سے کچھ جبر و اکراہ کے ہتھکنڈے ہیں اور دیگر ترغیبات پر مبنی ہیں۔ انہیں تین اہم نکات میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

اول: امریکہ کے ساتھ اپنے وسیع تجارتی تعلقات میں چین کی گہری دلچسپی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یوکرین کی جنگ میں روس کو فوجی مدد فراہم کرنے سے ہچکچا رہا ہے، کیونکہ اسے سخت اقتصادی پابندیوں کا خوف ہے جو اس کی برآمدات پر منحصر معیشت کو مفلوج کر دیں گی۔

دوم: امریکہ چین کو تائیوان کے خلاف کسی لاپرواہ فوجی کارروائی کے لیے اکسانے کی کوشش کر رہا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس نے روس کو یوکرین کے دلدل میں پھنسایا تھا، تاکہ اس کے فوجی اور معاشی وسائل کو ختم کیا جا سکے اور اسے عالمی سطح پر تنہا کر دیا جائے۔ یہ کارروائی پھر ایک جامع اقتصادی اور تجارتی پابندی عائد کرنے کے جواز کے طور پر کام کرے گی، جس سے علاقائی بالادستی کے لیے چین کے عزائم خاک میں مل جائیں گے۔

سوم: امریکہ خطے میں چینی خطرے سے متعلق علاقائی خدشات کا فائدہ اٹھا رہا ہے تاکہ اس خطے میں اپنے فوجی اتحادوں کو دوبارہ تعمیر اور مضبوط کر سکے، جیسے برطانیہ اور آسٹریلیا کے ساتھ اقتصادی تعاون اور ترقی کی تنظیم (OECD) کا اتحاد،

اور جاپان، جنوبی کوریا اور فلپائن کے ساتھ کواڈ (Quad) اتحاد۔ یہ چین کی توجہ ہٹاتا ہے اور اسے معاشی معاملات پر توجہ مرکوز کرنے سے روکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ چین کب تک اس صورتحال کو برداشت کر پاتا ہے۔

ان دباؤ کے ذرائع کے باوجود، امریکہ اب روس یا چین میں سے کسی پر بھی دباؤ ڈالنے کے مؤثر اور فیصلہ کن ذرائع نہیں رکھتا۔ چین کی معاشی صورتحال نازک ہے۔ امریکہ محصولات (tariffs) بڑھاتا ہے اور پھر تیزی سے انہیں واپس لے لیتا ہے، کیونکہ وہ اپنی ملکی معیشت پر پڑنے والے اثرات کو پہچانتا ہے، خاص طور پر اس لیے کہ امریکہ ایک صارف پر مبنی ملک ہے جہاں محصولات میں اضافہ براہ راست اس کے عوام کو متاثر کرتا ہے۔

جہاں تک روس کا تعلق ہے، امریکہ کو امید تھی کہ اسے یوکرین کے دلدل میں پھنسانے اور معاشی پابندیاں عائد کرنے سے وہ اسے عالمی سطح پر تنہا کر دے گا اور اس کی گیس کی تجارت کو مفلوج کر دے گا۔ تاہم، یہ حکمت عملی مطلوبہ نتائج نہیں دے سکی۔ روس یوکرین میں اپنی موجودگی بڑھا رہا ہے، اور یورپ کھلے عام اور ڈھکے چھپے انداز میں اس کی مدد کا خواہاں ہے، کیونکہ وہ اس تنازعے میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والا فریق ہے۔ اس نقصان میں امریکی ایران جنگ اور آبنائے ہرمز میں جہاز رانی پر عائد پابندیوں نے مزید اضافہ کر دیا ہے۔

اگرچہ ٹرمپ کے دورہ چین سے چین اور روس کے درمیان تعلقات کے ممکنہ خاتمے کے حوالے سے کچھ سامنے نہیں آیا، لیکن ٹرمپ کے بعد پیوٹن کے دورہ چین نے، جس کے نتیجے میں توانائی، ٹیکنالوجی اور ٹرانسپورٹ کے شعبوں میں 20 مشترکہ معاہدوں پر دستخط ہوئے، واضح طور پر دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو مضبوط بنانے کا ہدف رکھا ہے۔ یہ دورہ اور یہ معاہدے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ امریکہ زوال پذیر ہے اور اس کا انجام بھی وہی ہو گا جو اس سے پہلے تمام قوموں اور سلطنتوں کا ہوا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت (قانونِ فطرت) اٹل ہے۔ امتِ مسلمہ، اپنی اقدار اور اپنے عقیدے سے اخذ کردہ شرعی احکام کے ساتھ، اللہ کے اذن سے، وہ بنیادی متبادل ہے جو واپس آنے اور اسلام کو نور کے مینار اور نظامِ زندگی کے طور پر لے کر چلنے کے لیے تیار ہے۔ ایک طرف روس اور چین اور دوسری طرف امریکہ کے درمیان تنازع نظریات کا نہیں بلکہ مفادات کا ہے۔ خلافت، ایک نظریاتی سیاسی نظام کے طور پر، وہ واحد اکائی ہے جو اس تنازعے کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مسلمانوں کو جزیہ ادا کیے جانے کی تاریخ، اور عربی زبان میں اس معاہدے پر دستخط جس پر امریکہ کو مجبور کیا گیا تھا، ہمارے ذہنوں سے دور نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ "اور ہم نے نصیحت کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔" (سورۃ الانبیاء: 105)

باغ سے جنگل تک! مغربی بالادستی کے بعد کی دنیا کا سامنا کرتا یورپ

تحریر: انجینئر وسام الاطرش-(ترجمہ)

ایک ایسی دنیا میں جہاں اسٹریٹجک یقین متزلزل ہو رہا ہے اور امریکہ کا اثر و رسوخ زوال پذیر ہے، یورپ آج خود کو ایک بڑی معاشی طاقت کے طور پر پیش کر رہا ہے جو ہر بین الاقوامی معاملے میں مداخلت کرنا چاہتا ہے، لیکن مغربی جیوپولیٹیکل ذہنیت کا تہذیبی تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ یورپ آبادی کے لحاظ سے ایک بوڑھی ہوتی ہوئی طاقت ہے جو ناپائیدار اور ناہموار زمین پر چل رہی ہے۔ ایرانی بحران نے نہ صرف مغربی دفاعی صلاحیت (Deterrence) کی حدود کو بے نقاب کیا بلکہ خود یورپی منصوبے کی کمزوری کو بھی عیاں کر دیا ہے۔ یہ ایک ایسا براعظم جو امریکہ کے ساتھ جنگ سے ڈرتا ہے، نیٹو (NATO) کی چھتری تلے حرکت کرنے سے انکار کرتا ہے، چین کی شرائط پر امن سے خوفزدہ ہے، روس کو روکنے میں ناکام ہے، اور خوراک، توانائی و فوجی خودمختاری حاصل کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اب اس کے پاس اس بین الاقوامی نظام کی چابیاں نہیں رہیں جسے بنانے میں کبھی اس نے خود حصہ لیا تھا۔

ایران کا مسئلہ مغربی احساسِ کمتری اور یورپ کی ہمہ جہت کمزوری کا ایک واضح آئینہ بن چکا ہے۔ ایک طرف بین الاقوامی جہاز رانی، سائبر جنگوں اور علاقائی اثر و رسوخ کے حامل ایجنٹوں سے وابستہ خطرات بڑھ رہے ہیں، تو دوسری طرف یورپ محض سیاسی مذمتوں اور محدود دفاعی اقدامات پر ہی اکتفا کیے ہوئے ہے، اور اس میں اتنی سکت نہیں کہ وہ دفاع کی کوئی آزادانہ حکمت عملی تیار کر سکے یا اپنا جیوپولیٹیکل وژن مسلط کر سکے۔ اس کی وجہ فوجی طاقت یا معاشی وسائل کی کمی نہیں، بلکہ خود براعظم کے اندر ایک متحد جیوپولیٹیکل ارادے کا فقدان ہے۔

یورپی دارالحکومتوں کو خوف ہے کہ ایران کے ساتھ کسی بھی بڑے پیمانے کے ٹکراؤ کے نتیجے میں دوہرا دھماکہ ہوگا: ایک شدید توانائی کا بحران، اور دوسرا نازک جوہری سمجھوتوں کے آخری بچے کھچے آثار کا خاتمہ۔ تاہم، اصل گہرا خوف کہیں اور چھپا ہے۔ یورپ کو ادراک ہے کہ خلیج میں کوئی بھی بڑا تصادم اسے سیکیورٹی کے لیے دوبارہ مکمل طور پر امریکہ کا محتاج بنا دے گا، جبکہ وہ کم از کم نظریاتی طور پر اس چیز کو بنانے کی کوشش کر رہا ہے جسے فرانسیسی صدر ایمانوئل میکرون "یورپی اسٹریٹجک آزادی" کا نام دیتے ہیں، حالانکہ پولینڈ اور خاص طور پر بالٹک ریاستیں امریکی چھتری سے چمٹی ہوئی ہیں۔

یہ اندرونی تضاد خود مختاری کو ایک حقیقی منصوبے کے بجائے محض ایک نعرہ بنا دیتا ہے۔ مزید بر آں، یہ "پرانا براعظم" امریکی طاقت کے ہتھوڑے اور چین کے عروج کے سندان (Anvil) کے درمیان پھنسا ہوا ہے: امریکہ اپنے اتحادیوں کو سخت صف بندی اور کھلے ٹکراؤ کی طرف دھکیل رہا ہے، جبکہ چین بڑھتی ہوئی جیو پولیٹیکل خاموشی کی شرط پر بڑے پیمانے پر معاشی شراکت داری کی پیشکش کر رہا ہے۔ ان دونوں کے درمیان یورپ خود کو ایک آزاد خود مختار فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے محروم پاتا ہے، خاص طور پر مشرقِ وسطیٰ میں جہاں توانائی، سیکیورٹی، تجارت اور سمندری راستے ایک دوسرے سے جڑتے ہیں۔

تاہم، یورپ کا بحران صرف جیو پولیٹیکل نہیں، بلکہ تہذیبی بھی ہے۔ مغربی سیاسی ذہنیت، جدیدیت اور انسانی حقوق کی تمام تر بیان بازی کے باوجود، اب بھی ایک ایسے ذہنی ڈھانچے کے اندر کام کر رہی ہے جو دنیا کو ایک 'مرکز' (جسے نظم و نسق اور قانونی جواز کی تعریف کا حق حاصل ہے) اور 'ذیلی کرداروں' (جنہیں صرف اطاعت یا گھیراؤ کو قبول کرنا ہے) کے درمیان منقسم دیکھتی ہے۔ یورپی یونین کے خارجہ امور کے سربراہ، جوزپ بوریل نے 13 اکتوبر 2022 کو اس متکبرانہ نظریے کا انتہائی حیران کن وضاحت کے ساتھ اظہار کیا تھا، جب انہوں نے کہا تھا: "یورپ ایک باغ ہے۔ ہم نے ایک باغ بنایا ہے... باقی دنیا کا بیشتر حصہ ایک جنگل ہے، اور جنگل باغ پر حملہ کر سکتا ہے... باغبانوں کو جنگل میں جانا پڑے گا۔ یورپیوں کو باقی دنیا کے ساتھ بہت زیادہ مشغول ہونا پڑے گا۔ ورنہ باقی دنیا ہم پر مختلف طریقوں اور ذرائع سے حملہ آور ہو جائے گی"۔

یہ محض ایک سفارتی غلطی نہیں تھی، بلکہ یہ اس مغربی اسٹریٹجک لاعلمی کا بھرپور اظہار تھا جو دوسروں کے انتشار کے مقابلے میں خود کو تہذیب کا علمبردار سمجھتا ہے۔ یہاں سے اس طریقے کو سمجھنا ممکن ہے جس کے ذریعے یورپ اور مجموعی طور پر مغرب، ایران اور غیر مغربی دنیا کے ساتھ معاملات کرتا ہے: یعنی جب طاقت کا توازن اجازت دے تو براہ راست فوجی مداخلت، اور جب جنگ مہنگی پڑنے لگے تو پابندیوں، ڈیٹرنس (روک تھام) اور ناکہ بندی کا نظام۔ دونوں صورتوں میں، ضمنی مفروضہ ایک ہی رہتا ہے: کہ مغرب قانونی جواز کی تعریف پر اپنی اجارہ داری رکھتا ہے، جبکہ باقی دنیا سے ان قوانین کی پاسداری کا مطالبہ کیا جاتا ہے جن کی تشکیل میں وہ شریک تک نہ تھی، جبکہ دوسری طرف یہودی وجود خطے میں تباہی کا راستہ جاری رکھے ہوئے ہے۔

تاہم، دنیا اب بین الاقوامی نظام کی موجودہ شکل سے علیحدگی کی طرف بدل رہی ہے، کیونکہ امریکہ اور اس کے پروردہ یہودی وجود کی جانب سے بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ان عالمی تبدیلیوں کی رفتار کو تیز کرنے والی مہمیز بن چکی ہے۔ ایران، چین، روس اور دیگر علاقائی طاقتوں کی طرح اب مغرب کو بین الاقوامی نظام کا واحد مرکز نہیں سمجھتا، بلکہ اسے ایک ایسی طاقت کے طور پر دیکھتا ہے جسے تھکایا جا سکتا ہے، جسے نظر انداز (بائی پاس) کیا جا سکتا ہے، یا متبادل اتحادوں کے ذریعے متوازن کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی پابندیاں اب پہلے جیسے فیصلہ کن نتائج حاصل نہیں کر پاتیں، خاص طور پر ایشیائی طاقتوں اور 'برکس' (BRICS) جیسے بلاکس کی قیادت میں متوازی معاشی اور مالیاتی نیٹ ورکس کے عروج کے ساتھ۔

یورپ اس تبدیلی سے باخبر ہے، لیکن اس کا مکمل اعتراف کرنے سے ڈرتا ہے۔ ایک طرف اسے امریکی فوجی چھتری کی ضرورت ہے، اور دوسری طرف وہ معاشی طور پر ایشیا اور مشرق وسطیٰ سے آنے والی منڈیوں، توانائی اور سپلائی چینز (رسد کی ترسیل) پر منحصر ہے۔ لہٰذا، برسلز ہچکچاہٹ کے ایک تنگ دائرے میں حرکت کر رہا ہے۔ وہ نہ تو کسی آزادانہ اسٹریٹجک مقابلے کی سکت رکھتا ہے، اور نہ ہی نفسیاتی اور سیاسی طور پر مغربی بالادستی کے بعد کی دنیا کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ یورپی یونین سے باہر، برطانیہ نے معاشی خون ریزی کے درد میں کچھ کمی تلاش کرنے کے لیے نقل و حرکت کی ایک وسیع جگہ ڈھونڈلی ہے، کیونکہ اس نے خلیج تعاون کونسل (GCC) کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ کرنے میں جلدی کی ہے جسے تاریخی قرار دیا جا رہا ہے۔

یورپ اب ایک ایسی قوت بن چکا ہے جو پیش قدمی کرنے کے بجائے خوف کا زیادہ شکار ہے۔ اسے توانائی اور رسد کی زنجیروں (سپلائی چین) میں تعطل، ہجرت کی لہروں، اپنے معاشروں میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے تناسب، عوامی مقبولیت پسند دائیں بازو کے ابھار، مصنوعی ذہانت کے شعبے میں اپنی پسماندگی، اور اس تاریخی مراعات کے کھو جانے کا خوف ہے جو اس نے صدیوں کے معاشی اور استعماری تسلط کے ذریعے حاصل کی تھیں۔ یہاں تک کہ یورپی اقدار کی بیان بازی کو بھی بعض اوقات ایک ایسی دنیا میں اپنی علامتی برتری برقرار رکھنے کی کوشش کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں جنگل کا قانون نافذ ہے، اور جو مغربی اشرافیہ کے فہم و ادراک سے کہیں زیادہ تیزی سے بدل رہی ہے۔

ایرانی کشمکش نے یورپ کے بحران کو بے نقاب کر دیا ہے، جو اب اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگا ہے۔ تاہم، یہ بحران صرف یورپ اور ایران تک محدود نہیں ہے۔ آج ہم جس چیز کا مشاہدہ کر رہے ہیں وہ عہدِ حاضر کے بین الاقوامی نظام کے

اخلاق اور سیاسی مرکز کا بتدریج زوال ہے۔ امریکہ دنیا کو طاقت اور مفادات کی منطق سے چلا رہا ہے، اور چین خاموش اثر ورسوخ کی منطق کے ساتھ عالمی معیشت اور سفاک سرمایہ داری کو نئی شکل دے رہا ہے، جبکہ یورپ ان دونوں کے درمیان وجودی اضطراب کی حالت میں جی رہا ہے۔ جہاں تک 'عالمی جنوب'(Global South) کا تعلق ہے، اس نے دہائیوں میں پہلی بار اس کردار پر قناعت کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ وہ محض ایک ایسا اکھاڑا بنے جہاں سلطنتیں آپس میں لڑتی ہیں۔

یک قطبی دور ختم ہو چکا ہے، لیکن دنیا ابھی تک ایک مستحکم اور منصفانہ کثیر قطبی نظام کی تعمیر میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ آج ہم جس افراتفری کا سامنا کر رہے ہیں وہ کوئی نیا بین الاقوامی نظام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عالمی اسٹریٹجک خلا ہے جس کے اندر ایسی طاقتیں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں جن کے پاس طاقت کے اوزار تو موجود ہیں، لیکن وہ ایک جامع تہذیبی وژن سے محروم ہیں۔

لہٰذا، اب اصل سوال یہ نہیں رہا کہ مغرب ایران کو کیا جواب دے گا؟ بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا دنیا بالادستی اور افراتفری کی اس دوغلی کیفیت سے ہٹ کر بین الاقوامی تعلقات کا کوئی نیا ادراک پیدا کر سکتی ہے؟ کیا کوئی ایسا متبادل موجود ہے جو 'ایپسٹین کی تہذیب' کی پیدا کردہ غلاظتوں سے دور رہ کر روایات، نظاموں اور قوانین کی ازسرِ نو تشکیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو؟

شاید موجودہ لمحہ، اپنے تمام تر خطرات کے باوجود، ایک مختلف بین الاقوامی پیمانہ اور ایک نیا تہذیبی منصوبہ تخلیق کرنے کا ایک تاریخی موقع ہے، جو اکیسویں صدی میں سلامتی، تعاون اور آزادی کے مفہوم کی نئی تعریف کرے۔ ایک ایسا منصوبہ جس کی بنیاد دھونس، لوٹ مار اور بھتہ خوری پر نہ ہو، اور نہ ہی پابندیوں یا نیابتی جنگوں (پراکسی وارز) کی منطق کے ذریعے لوگوں کو محکوم بنانے پر مبنی ہو۔

وہ دنیا جو دن رات انسانی وقار کو پیروں تلے روند رہی ہے، وہ طاقت کے بحران کا شکار نہیں ہے، بلکہ وہ ایک اعلیٰ اور بامقصد نصب العین کے بحران میں مبتلا ہے۔ اس لیے، امتِ مسلمہ کو آج پہلے سے کہیں زیادہ اس بات کی پکار دی جا رہی ہے کہ وہ اپنے نظامِ حکومت اور ریاست یعنی 'خلافتِ راشدہ' کو دوبارہ قائم کر کے اسلام کی بنیاد پر ایک بین الاقوامی نظم و نسق کی تشکیل میں حصہ دار بنے، کیونکہ صرف یہی وہ واحد نظام ہے جو انسان کو اس کی اصل انسانیت اور وقار لوٹانے کی طاقت رکھتا ہے۔

کیا اب وقت نہیں آ گیا کہ اسلامی امت اپنی دولت اپنے مفادات پر خرچ کرے؟!

جمعرات 21 مئی 2026 کو، سعودی جنرل انٹر ٹیمنٹ اتھارٹی نے ایک نئے سعودی مصری اتحاد کا اعلان کیا جس کا مقصد خطے میں بڑی تقریبات کے لیے ایک مربوط نظام تیار کرنا ہے، تاکہ دونوں ممالک کو عالمی فنکاروں اور ستاروں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ایک ہی راستے پر جوڑا جا سکے! دریں اثنا، بدھ 20 مئی 2026 کو، خلیج تعاون کونسل (جی سی سی) کے ممالک اور برطانیہ نے تقریباً 5 بلین ڈالر مالیت کے ایک تاریخی اور بڑے آزاد تجارتی معاہدے کا اعلان کیا، جس کے نتیجے میں برطانیہ خلیجی بلاک کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنے والا پہلا G7 ملک بن گیا۔

اس کی بنیاد پر، حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کے ڈائریکٹر، انجینئر صلاح الدین عضاضہ نے ایک پریس بیان میں کہا: "اس طرح، مسلمانوں کے حکمران امتِ مسلمہ کی دولت ضائع کرنا جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ابھی کل ہی ہم نے انہیں مغربی کمپنیوں سے ان کی مارکیٹ ویلیو سے زیادہ قیمتوں پر سامان خریدنے کے لیے سینکڑوں اربوں کے سودے کرتے دیکھا۔ ہم نے انہیں دیوالیہ پن کے دہانے پر کھڑی مغربی کمپنیوں کو بچانے کے لیے 'خود مختار دولت فنڈز' (sovereign wealth funds) خرچ کرتے ہوئے بھی دیکھا۔ ان اور دیگر سودوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ امت کا پیسہ مغربی معیشت میں جھونکا جائے، جو اب آنے والے زوال کے خوف کی گرفت میں ہے—ایسا زوال جو پچھلے تمام زوالوں سے کہیں زیادہ تباہ کن ہو سکتا ہے"۔

انہوں نے مزید کہا: "درست اقدام تو یہ ہوتا کہ یہ رقوم مسلم ممالک کی معاشی اور عسکری صلاحیتوں کو ترقی دینے پر خرچ کی جاتیں، تاکہ وہ مغرب کے زیرِ کنٹرول ٹیکنالوجی میں خود کفیل ہو سکیں، اور روزگار کے ایسے مواقع پیدا کیے جاتے جو جاری 'برین ڈرین' (ذہین افراد کے انخلا) کو روکتے، جو کہ معاشی مشکلات، عوامی زندگی کے گھٹن اور سیاسی میدان سے بے دخلی کی وجہ سے پیدا ہونے والا ایک رجحان ہے"۔

بڑھتی ہوئی قیمتوں کا اسلام میں حل

تحریر: استاد میسرہ یحییٰ

(ترجمہ)

بڑھتی ہوئی قیمتوں نے ہماری زندگی کے ہر پہلو پر اپنی گرفت مضبوط کر لی ہے، جس کی وجہ سے ہمارے لیے زندگی کی بنیادی ضروریات کا حصول بھی تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ یہ وہ صورتحال ہے جس تک ہم پہنچ چکے ہیں!

تاہم، ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی نعمت سے نوازا ہے اور ہمارے پاس اپنا رسول (ﷺ) بھیجا ہے۔ جو بھی ان کی ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ ہی تکلیف اٹھائے گا، کیونکہ اسلام کے پیش کردہ حل اس ذات کی طرف سے ہیں جو 'اللطیف' (نہایت باریک بین) اور 'الخبیر' (بڑی خبر رکھنے والا) ہے: ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ "بھلا جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانتا؟ حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے"۔ (سورۃ الملک: 14)

اسلام ایسے حل لایا ہے جو انسانیت کی تکریم کرتے ہیں۔ یہ دینِ غمگساری اور دینِ رحمت ہے، اور یہ رحمت تمام جہانوں (عالمین) کے لیے عام ہے۔ لفظ 'عالمین' اللہ (سبحانہ و تعالیٰ) کے سوا ہر چیز کا احاطہ کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ "اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے"۔ (سورۃ الانبیاء: 107)

یہ رحمت ان شرعی احکامات کی صورت میں آئی ہے جو ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی مکمل تسکین کو یقینی بناتے ہیں، اور ساتھ ہی انہیں ایک مخصوص معاشرے اور اس کے مخصوص طرزِ زندگی کے اندر رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ ممکنہ حد تک تعیشات و آسائشوں کے حصول کے قابل بناتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی شریعت نے اس مسئلے کو درج ذیل احکامات کے ذریعے حل کیا ہے:

اول: اسلام لوگوں کے مال کو ناحق طریقے سے حاصل کرنے سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقاً مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ "اور تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ان کو (رشوت کے طور پر) حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے ذریعے کھاسکو حالانکہ تم (اس کی حرمت کو) جانتے ہو"۔ (سورۃ البقرہ:188)

کوئی بھی وصولی جو اسلامی شریعت پر مبنی نہ ہو، حرام ہے۔ اس طرح، اسلام نے ہر اس شخص کے لیے دروازہ بند کر دیا ہے جو ہمارا مال ایسے طریقے سے لیتا ہے جس کی اجازت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے نہیں دی۔ اسی لیے سرحدوں پر اشیاء پر کوئی فیس نہیں لی جاتی، جنہیں آج کسٹم ڈیوٹی (Customs Duties) کہا جاتا ہے۔ اسلام نے ان کسٹم ڈیوٹیز کو حرام قرار دیا ہے۔ ابو الخیر سے روایت ہے کہ: مصر کے گورنر مسلمہ بن مخلد نے رویفع بن ثابت کو ٹیکس وصول کرنے والے (تحصیلدار) کے عہدے کی پیشکش کی، تو رویفع نے جواب دیا، "میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، «إِنَّ صَاحِبَ الْمَكْسِ فِي النَّارِ» یعنی 'مکس (کسٹم ڈیوٹی) وصول کرنے والا آگ (جہنم) میں ہوگا'"۔ یہ حدیث ابو داؤد نے اپنی سنن میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کی ہے، اور اسے صحیح قرار دیا گیا ہے۔ یہاں لفظ "مکس" سے مراد کسٹم ڈیوٹی ہے، اور یہ وہ تمام وصولیاں ہیں جو بیرون ملک سے درآمد شدہ سامان پر لوگوں سے لی جاتی ہیں۔ یہ محصولات قیمتوں میں اضافے کی ایک بڑی وجہ ہیں، اور ہمارے پاکیزہ دین میں بالواسطہ ٹیکس (Indirect Taxes) بھی ناجائز ہیں۔

جہاں تک ویلیو ایڈڈ ٹیکس (VAT)، ایک فیصد ٹیکس اور دیگر کا تعلق ہے، تو یہ قیمتوں میں اضافے کی براہ راست وجوہات ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: «مَنْ دَخَلَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَسْعَارِ الْمُسْلِمِينَ لِيُغَلِّيَهُ عَلَيْهِمْ كَانَ حَقّاً عَلَى اللَّهِ أَنْ يُقْعِدَهُ بِعُظْمٍ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» یعنی "جو شخص مسلمانوں کی قیمتوں کے معاملے میں مداخلت کرے تاکہ ان کے لیے قیمتیں بڑھا دے، تو اللہ پر یہ حق ہے کہ اسے قیامت کے دن آگ کی ایک بڑی جگہ پر بٹھائے" (ابو داؤد)۔ چنانچہ، یہ محصولات اور فیسیں قیمتوں کے بڑھنے کی بنیادی وجوہات میں شامل ہیں۔

دوسری بات: افراطِ زر کا مسئلہ، جس نے لوگوں پر بوجھ ڈال رکھا ہے، ریاست کی طرف سے اسلامی شریعت کی اس خلاف ورزی کی وجہ سے ہے کہ اس نے کرنسی نوٹ کو سونے کی پشت پناہی کے بغیر رائج کر رکھا ہے۔ اسلام نے اس مسئلے کا حل سونے اور چاندی کو ریاست کی کرنسی بنا کر پیش کیا ہے، کیونکہ ان کی اپنی ایک موروثی قدر ہوتی ہے اور ان کی نقل (جعل سازی) نہیں کی جاسکتی۔ اس طرح ریاست میں افراطِ زر پیدا نہیں ہوتا اور قیمتیں مستحکم رہتی ہیں۔

تیسری بات: اسلام سودی اور استعماری اداروں جیسے ورلڈ بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) کے ساتھ لین دین سے منع کرتا ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان دو استعماری اداروں کی مداخلت ممالک کو ان کے وسائل سے محروم کر کے غریب بنا دیتی ہے، اور لوگوں کے معاملات کو ان اداروں کے مفادات کا محتاج بنا دیتی ہے۔ ان کی مداخلت دو وجوہات کی بنا پر نقصان دہ ہے:

1۔ وہ سود (ربا) میں لین دین کرتے ہیں، جو کہ حرام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آَمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ**﴾ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے تمہارے اصل اموال ہیں، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے"۔ (سورۃ البقرہ: 278)

2۔ یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ ان دو اداروں کے ساتھ لین دین ملکی معیشت میں ساختی تبدیلیاں مسلط کر کے ملک اور اس کے وسائل کو کافر مغرب کے پاس گروی رکھ دیتا ہے، جیسے کہ اشیاء پر سے سبسڈی (رعایت) کا خاتمہ، ٹیکسوں میں اضافہ، اور ملک کو ناکام منصوبوں میں دھکیلنا۔ یہ چیز ملک میں کفار کو غلبہ فراہم کرتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے جب اس نے ارشاد فرمایا: ﴿**وَلَنْ يَجْعَلَ اللهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلاً**﴾ "اور اللہ ہرگز کافروں کو مومنوں پر (غلبہ پانے کا) کوئی راستہ نہیں دے گا"۔ (سورۃ النساء: 141)

عربی زبان میں لفظ "لن" (ہر گز نہیں) 'تأبید' (ہمیشہ کے لیے) کے معنی دیتا ہے، اس لیے یہ مسلمانوں پر تسلط جمانے والے کافر استعمار پسندوں اور ان کے بین الاقوامی اداروں کے اثرورسوخ کو کاٹ پھینکنے کو واجب قرار دیتا ہے۔

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اسلام نے انسانی مسائل کو حل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ، جس نے ہمیں پیدا کیا، اس نے خود ہمارے معاملات کی ذمہ داری لی ہے اور ایسے شرعی احکام مقرر کیے ہیں جو ہمارے تمام مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ اسلام اس سے بھی آگے جاتا ہے، کیونکہ جو شخص زندگی کی بنیادی ضروریات حاصل کرنے سے قاصر ہو، اسے ریاست کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو اس کی ذمہ دار سرپرست ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **«مَنْ تَرَکَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ، وَمَنْ تَرَکَ كَلاًّ فَإِلَيْنَا»** یعنی "جو شخص مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے؛ اور جو (ایسے پسماندگان) چھوڑ جائے جو بوجھ ہوں، تو وہ ہماری ذمہ داری ہیں" (بخاری)۔ بے لگام سرمایہ دارانہ نظام اور اسلام کے فلاحی نظام کے درمیان کتنا عظیم فرق ہے!

ایک اہم نکتہ ہے جسے ہمیں سمجھنا چاہیے، اور وہ یہ ہے کہ انسانیت کے لیے اس تکلیف سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے جس کا وہ سامنا کر رہی ہے سوائے اس کے کہ اسلام کے نظام کو اس کی مکمل صورت میں نافذ کیا جائے۔ مذکورہ بالا حل ان موجودہ کمزور اور نااہل ریاستوں کے ذریعے نافذ نہیں کیے جا سکتے۔ ان حلوں کے لیے ایک نظریاتی ریاست کی ضرورت ہے، اور یہ خلافت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہی وہ شرعی فریضہ اور ان بحرانوں سے نکلنے کا راستہ ہے جن کا ہم آج سامنا کر رہے ہیں۔

لہٰذا، میرے بھائیو اور بہنو، اس سفر میں تیزی لائیں تاکہ ہم پہلے اللہ (سبحانہ و تعالیٰ) کے سامنے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکیں، اور اپنی امت کو اس سختی سے بچا سکیں جس کا ہم تجربہ کر رہے ہیں۔ صرف خلافت ہی اس دنیا اور آخرت میں نجات اور چھٹکارے کا راستہ ہے، تاکہ ہم اس جاہلیت کی موت سے بچ سکیں جس کے بارے میں پیارے نبی ﷺ نے متنبہ فرمایا تھا:

«وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِى عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»

یعنی "جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت نہ تھی، وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ چنانچہ، پھر ہم راحت اور خوشحالی میں زندگی گزاریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّى هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلاَ يَضِلُّ وَلاَ يَشْقٰى﴾** "پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے، تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ بھٹکے گا اور نہ تکلیف اٹھائے گا"۔ (سورۃ طٰہٰ: 123)

مصر میں سیسی حکومت اور مخالف آوازوں کو خاموش کرنے کی پالیسی

تحریر: استاد سعید فضل

(ترجمہ)

مصری عوام کے خلاف مصری حکومت کے جبر و استبداد کے ابواب ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔ مصری عوام کے اپنے عقیدے اور اپنی امت کے ساتھ گہرے لگاؤ کی وجہ سے، یہ جبر بہت شدید رہا ہے۔ مصر کے حکمرانوں کی آمریت کے درمیان بمشکل ہی کوئی فرق کیا جا سکتا ہے۔ ناصر مصری عوام کے لیے سادات، مبارک یا سیسی سے زیادہ مہربان نہیں تھا۔ ان سب نے مصری عوام پر ظلم ڈھانے میں حصہ لیا، اور حقیقت میں یہ وہ باؤلے کتے ہیں جنہیں امریکہ نے مصری عوام کو نقصان پہنچانے کے لیے کھلا چھوڑ رکھا ہے۔

فرعون سیسی کے لیے، جبر کوئی انفرادی معاملہ یا سیکیورٹی کی حد سے تجاوز نہیں ہے، بلکہ یہ ایک منظم پالیسی کا تسلسل ہے جسے مختلف طریقوں سے نافذ کیا جاتا ہے: گرفتاری، مقدمے سے پہلے طویل حراست، جبری گمشدگی، سفری پابندیاں، اثاثوں کا منجمد ہونا، اور میڈیا کے ذریعے کردار کشی۔ اس کی ایک مثال حزب التحریر کے ارکان کے خلاف حکومت کا حالیہ ظلم و ستم ہے، جو اس وقت شروع ہوا جب ولایہ مصر میں حزب نے امت کو فلسطین کی مبارک سرزمین پر اپنے لوگوں کی حمایت کرنے کی پکار لگائی تھی۔ واشنگٹن اور تل ابیب اس مبارک مہم سے زچ ہو گئے، چنانچہ انہوں نے مصر کے فرعون کو حزب کے ارکان کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا گیا اور جبری طور پر لاپتہ کر دیا گیا، اور ان میں سے کسی کو بھی کسی عدالت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ اس سے بھی زیادہ بدتر بات یہ ہے کہ ان پر تکفیر (کفر کا فتویٰ دینے) کا الزام لگایا گیا، حالانکہ وہ دین اور ایمان والے لوگ ہیں جو زمین پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت کو اس کی مکمل شکل میں نافذ کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور اس کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں۔

حکومت کو تمام قوانین، ضوابط اور انسانی اقدار، بشمول اپنے خود ساختہ قوانین کی خلاف ورزی کے قابل بنانے کے لیے، اس جابر حکومت نے پیر 25 مئی 2026 کی صبح سویرے، ایک پرامن اظہارِ یکجہتی کی سرگرمی کی بنیاد پر 'کمیٹی برائے دفاعِ اسیرانِ شعور' (Committee for the Defense of Prisoners of Conscience) کے تین رہنماؤں کو بھی گرفتار کر لیا۔ یہ منظر اس فرعونی ریاست کی حقیقت کا ایک جامع خلاصہ معلوم ہوتا ہے، جو نہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت کے نفاذ کی دعوت دینے والوں، یا محض اپنے مخالفین کو قید کرتی ہے، بلکہ ان کا دفاع کرنے والوں کو بھی ظلم و ستم کا نشانہ بناتی ہے۔ یہ گرفتاری کوئی انفرادی واقعہ نہیں ہے، بلکہ اس طویل تاریخ کا حصہ ہے جسے بین الاقوامی پریس اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے دستاویزی شکل دی ہے۔ یہ تنظیمیں جابر حکومتوں کے جرائم کا محض ایک معمولی حصہ ہی بیان کرتی ہیں، اور ان خلاف ورزیوں کو عوام کے سامنے ایک دھوکے کی دیوار (smokescreen) کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ اس ہولناک ریکارڈ میں وہ بات بھی شامل ہے جس کی 'ہیومن رائٹس واچ' نے مصر کے بارے میں اپنی 2016 کی رپورٹ میں تصدیق کی تھی، جس میں کہا گیا تھا کہ حکام نے اختلافی آوازوں کو سزا دینا جاری رکھا اور صحافیوں، انسانی حقوق کے محافظوں اور سیاسی مخالفین کو نشانہ بنایا۔ اس رپورٹ میں برسوں پہلے یہ بھی دستاویزی طور پر درج کیا گیا تھا کہ مصر نے عوامی حلقوں کو کنٹرول کرنے کی ایک وسیع مہم کے حصے کے طور پر درجنوں خبروں اور انسانی حقوق کی ویب سائٹس کو بلاک کر دیا تھا۔ یہ محض سنسرشپ نہیں ہے، بلکہ یہ عوام تک پہنچنے والی معلومات کو مکمل طور پر اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے (engineer) کی ایک کوشش ہے۔

سیسی کے اقتدار کے خطرناک ترین پہلوؤں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ نہ صرف اسلام کو دبانے اور مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ اختلافی آوازوں کو خاموش کرنے اور بیانیے پر اجارہ داری قائم کرنے کی بھی تگ ودو کرتا ہے۔ چنانچہ، حکومت کے ساتھ تصادم اب محض نظامِ حکومت، عوامی پالیسیوں، انتخابات یا اقتدار کی پرامن منتقلی کے بارے میں نہیں رہا، بلکہ اس بارے میں ہے کہ حقیقت کی تعریف (define) کرنے کا حق کس کے پاس ہے۔ پریس اور انسانی حقوق کی رپورٹوں نے اس بات کو ریکارڈ کیا ہے کہ مصر تکفیر، جھوٹی خبریں پھیلانے، اور کسی دہشت گرد یا غیر قانونی گروہ میں شمولیت جیسے مبہم الزامات کو ہر اس پکار یا تقریر کو مجرمانہ قرار دینے کے لیے استعمال کرتا ہے جو حکومت اور اس کے مہروں کی تعریف نہیں کرتی، قطع نظر اس کے کہ وہ کسی داعیِ دین، صحافی، کارکن، وکیل یا محقق کی طرف سے ہو۔

جب کوئی حکومت ایک اظہارِ یکجہتی کی تقریب کے بعد اسیرانِ شعور سے متعلق کمیٹی کو گرفتار کرنے کی حد تک چلی جائے، تو سیاسی پیغام بالکل واضح ہوتا ہے۔ یہ وہی پیغام ہے جو فرعون نے دیا تھا جب اس نے اعلان کیا تھا کہ "میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں"۔ یہ پیغام نہ صرف کمیٹی کے ارکان کے لیے ہے بلکہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو حکومت کو تبدیل کرنے، اس کے جرائم کو دستاویزی شکل دینے، ان کے خلاف احتجاج کرنے، یا اس کے متاثرین کے ساتھ ہمدردی دکھانے کا سوچتا ہے۔ یہ طرزِ عمل جبر کو محض براہِ راست گرفتاری سے زیادہ وحشیانہ بنا دیتا ہے، کیونکہ یہ معاشرے کے تمام طبقات میں خوف بڑھا دیتا ہے اور اظہارِ یکجہتی کو بذاتِ خود ایک خطرناک عمل بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اقربا پروری اور پسند ناپسند پر مبنی ایک کرپٹ ریاست میں، کوئی سفارش یا اثر ورسوخ اس کے مخالفین کا دفاع نہیں کر سکتا۔ کوئی بھی بااثر یا صاحبِ حیثیت شخص کسی مخالف کی رہائی کے لیے سفارش کرنے کی ہمت نہیں کرتا، کیونکہ کسی حق دار یا مظلوم کے حق میں آواز اٹھانا ان سرخ لکیروں میں سے ایک ہے جسے سیسی کا قانون کسی کے لیے بھی عبور کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

سیسی حکومت کے جرائم اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مقامی اور بین الاقوامی میڈیا کے وہ ادارے بھی جو اس عالمی نظام سے جڑے ہوئے ہیں جو سیسی حکومت کا اصل پشتیبان ہے، مصر میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر اب خفت اور شرمندگی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ وہ حکومت کی بعض خلاف ورزیوں کی کوریج کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں، جبکہ اس سے قبل انہوں نے اس بات کو یقینی بنایا تھا کہ حق کی دعوت دینے والوں اور اسلام پسندوں کے خلاف حکومت کی زیادتیوں کی کوریج نہ کی جائے۔ متعدد رپورٹوں میں، بین الاقوامی تنظیموں اور اداروں نے مصر کو خطے میں صحافتی

آزادی کے لیے بدترین جابرانہ ماحول قرار دیا ہے۔ 'ورلڈ پریس فریڈم ڈے 2020' پر ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ صحافتی آزادیوں کے خلاف بڑھتے ہوئے کریک ڈاؤن کے نتیجے میں 37 صحافیوں کو گرفتار کیا گیا، اور اس کارروائی کو معلومات پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کی عمومی فضا سے جوڑا گیا۔ 'رپورٹرز ود آؤٹ بارڈرز' نے بھی مسلسل پابندیوں، گرفتاریوں اور سنسرشپ کی وجہ سے عالمی سطح پر صحافتی آزادی کے اشاریوں میں مصر کی درجہ بندی کو انتہائی نچلی سطح پر برقرار رکھا ہے۔ 2017 میں، ہیومن رائٹس واچ نے رپورٹ دی کہ مصری حکام نے درجنوں پرامن کارکنوں کو گرفتار کیا اور میڈیا کی ویب سائٹس کو بلاک کر دیا، جس سے اس بات کی تصدیق ہوئی کہ بنیادی آزادیوں پر جبر شدید ترین سطح پر پہنچ چکا ہے۔ بعد کی رپورٹوں میں کسی بھی داعی یا مخالف کو دبانے کے لیے سفری پابندیوں اور اثاثوں کو منجمد کرنے جیسے جابرانہ حربوں کے استعمال کو دستاویزی شکل دی گئی ہے۔

اپنے ہی لوگوں میں خوف اور دہشت پیدا کرنے کی بنیاد پر قائم ریاست تمام تر پیمانوں اور معیاروں کے لحاظ سے ایک ناکام ریاست ہے۔ جب کوئی اقتدار برسوں اور دہائیوں تک گرفتاریوں، سنسرشپ اور ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رکھتا ہے، تو وہ نہ صرف آوازوں کو خاموش کرتا ہے بلکہ پورے معاشرے کی ہیئت بدل دیتا ہے۔ ایک مسلمان جب حق اور روشنی کی دعوت دینے والے داعی کو، محض ایک رپورٹ کی وجہ سے قید صحافی کو، اپنی رائے کی وجہ سے سفر سے روکے گئے کارکن کو، یا انسانی حقوق کی سرگرمی کی وجہ سے طلب کیے گئے وکیل کو دیکھتا ہے، تو وہ جلد ہی یہ سبق سیکھ لیتا ہے کہ اپنی بقا کے لیے خاموشی ہی اس کا واحد راستہ ہے۔ یہاں پہنچ کر، سنسرشپ محض ایک سیکیورٹی اقدام کے بجائے ایک روزمرہ کی مشق میں، اور ایک سیاسی فیصلے سے بڑھ کر ایک سماجی رویے اور ایک ہمہ گیر دم گھٹتی فضا میں بدل جاتی ہے۔

سیسی کی پالیسیوں کا خطرناک ترین پہلو نہ صرف جبر کے دائرے کی وسعت ہے بلکہ وہ حمایت اور پردہ پوشی بھی ہے جو اسے عالمی نظام کی طرف سے فراہم کی جاتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس نے بشار الاسد اور امت پر مسلط کردہ دیگر جابروں کے جرائم پر پردہ ڈالا۔ مصر کی صورتحال اب تبدیل نہیں ہوگی سوائے اس کے کہ العزبن عبدالسلام جیسا کوئی مردِ حق سامنے آئے، جو سیسی اور اس کے کارندوں کو غلاموں کی منڈی میں نیلام کردے۔ اور یہ مصری فوج کے مخلص ارکان کی جانب سے حزب التحریر کو 'نصرۃ' (فوجی مدد) فراہم کرنے کے ذریعے ہی ممکن ہے، تاکہ نبوت کے نقشِ قدم پر دوبارہ خلافت قائم کی جاسکے۔

ولایہ مصر میں حزب التحریر کت میڈیا آفس کے رکن

ایران کو اپنی ایٹمی ہتھیاروں کی صلاحیت سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے

امریکہ، وہ ممالک جو سابقہ P5+1 گروپ کے ارکان تھے، اور غاصب وجود (اسرائیل) کا اس بات پر اصرار کہ ایران کو ایٹمی صلاحیتوں کے حصول سے روکا جائے یا اس کی کوشش کی جائے، کسی بھی جائز اصول، قانون، کنونشن یا کسی دوسرے معقول جواز پر مبنی نہیں ہے۔ دنیا میں بہت سی ایسی ریاستیں ہیں جو ایٹمی صلاحیتوں اور ایٹمی ہتھیاروں کی مالک ہیں: جن میں امریکہ (جو جنگ میں ان کا استعمال کرنے والا واحد ملک ہے)، اور اسی طرح روس، چین، شمالی کوریا، بھارت، پاکستان، برطانیہ، فرانس اور یہودی وجود شامل ہیں۔ پھر کیوں ان صلاحیتوں کو ان ریاستوں کے لیے جائز سمجھا جانا چاہیے لیکن مثال کے طور پر ایران کے لیے ممنوع قرار دیا جا رہا ہے؟

اگر یہ ممالک یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کا ہونا جنگ کے ہتھیار کے بجائے ایک دفاعی رکاوٹ (ڈیٹرنس) کے طور پر کام کرتا ہے، تو پھر یہ بات اور بھی زیادہ قوت سے لاگو ہوتی ہے کہ کوئی بھی ریاست جسے کسی ایسے حریف یا دشمن کا سامنا ہو جس کے پاس ایسے ہتھیار ہوں، اسے بھی انہیں حاصل کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے، تاکہ

دفاعی توازن قائم رہے اور کوئی بھی فریق مکمل تباہی کے خطرے سے دوچار نہ ہو۔ یہی وہ صورتحال تھی جو دو بڑی طاقتوں، امریکہ اور سابقہ سوویت یونین کے درمیان پیش آئی تھی، اور آج بھی بھارت اور پاکستان کے تعلقات میں یہ حقیقت واضح طور پر نظر آتی ہے۔

جہاں تک ایران کا تعلق ہے، اگر وہ امریکہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور اپنے یورینیم کے ذخائر حوالے کر دے، تو اس نقطہ نظر کے مطابق، وہ خود کو یہودی وجود کے ایسے فوجی حملوں کے خطرے میں ڈال دے گا جن کا سامنا کرنے کی شاید وہ سکت نہ رکھتا ہو۔ یہاں تک کہ یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ ایسی صورتحال میں آنے والی دہائیوں تک اس کی صلاحیتوں کو تباہ کرنے کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں ان بیانات کا حوالہ دیا جاتا ہے جو ان (یہودی وجود) کے وزیر اعظم سے منسوب ہیں، جنہوں نے فارسیوں کے خلاف یہودیوں کے ایک تاریخی غم و غصے کا ذکر کیا تھا جو سائرسِ اعظم کے دور سے چلا آ رہا ہے۔

دوسری طرف، اگر ایران جھکتا نہیں ہے اور اس کے بجائے ان صلاحیتوں کو برقرار رکھتا ہے جو اس نے دہائیوں میں حاصل کی ہیں، تو اسے ممکنہ طور پر بڑھتے ہوئے دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے باوجود، وہ ایک قابلِ ذکر طاقت اور اہمیت کی حامل ریاست کے طور پر برقرار رہے گا۔

مزید اہم بات یہ ہے کہ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ایران فکری طور پر اپنے نظام کو اسلامی بنیادوں پر دوبارہ استوار کرنے سے زیادہ دور نہیں ہے، ایسا نظام جو نہ تو قوم پرستی کی پابندیوں میں جکڑا ہو اور نہ ہی فرقہ وارانہ تحفظات تک محدود ہو۔ ایران کے حکمرانوں پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ یاد رکھیں کہ امتِ مسلمہ کی تاریخ فارسی، عرب یا تورانی شناختوں سے کہیں زیادہ گہری ہے، اور اس امت نے (ہر دور میں) زیادہ ثابت قدمی اور لچک کا مظاہرہ کیا ہے۔ مزید برآں، یہ کہا جاتا ہے کہ وہ امت جو اپنے پورے نظام کو کسی دوسری ملاوٹ کے بغیر خالصتاً اسلامی عقیدے کی بنیاد پر تعمیر کرتی ہے، عالمی سطح پر قیادت سنبھالنے کی اہل ہو جائے گی۔

حقِ خود ارادیت یا شام کی تقسیم؟!

شام کی دروز کمیونٹی کے روحانی پیشوا حکمت الہجری نے حقِ خود ارادیت اور دمشق حکومت سے مکمل طور پر علیحدہ ایک خود مختار انتظامیہ کے قیام کے اپنے مطالبے کو ایک بار پھر دہرایا ہے، اور یہ اعلان کیا ہے کہ "آزادی اور حقِ خود ارادیت کا اختیار کسی سودے بازی یا مشروط وفاداریوں کے تابع نہیں ہے"۔ ان بیانات کے ساتھ ساتھ الہجری کی جانب سے امریکی صدر ٹرمپ اور یہودی وجود کے وزیر اعظم نیتن یاہو سے "دروز کے تحفظ" کے لیے شام میں مداخلت کی سر عام اپیلیں بھی کی گئیں۔ رپورٹوں سے یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ واشنگٹن میں ان کے نمائندے نے امریکی حکام کے ساتھ ملاقاتیں کیں تاکہ دمشق حکومت کے خلاف ایک مسلح بغاوت کا منصوبہ پیش کیا جا سکے، جس کے لیے مبینہ طور پر اسرائیلی وجود کی حمایت حاصل ہو گی۔

الرایہ میگزین کا اس پر تبصرہ ہے کہ ایک مذہبی پیشوا کا اپنے ہی ملک کے معاملات میں مداخلت کے لیے یہودی وجود کے وزیر اعظم سے کھلم کھلا اپیل کرنا غداری کے واضح ترین مظاہر میں سے ایک ہے۔ یہ کھیل کوئی نیا نہیں ہے؛ جب سے سائیکس پیکو معاہدے نے امت کے وجود کو پارہ پارہ کیا ہے، اس کے دشمنوں نے فرقہ وارانہ اور نسلی شناختوں کو تقسیم کے ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کے فن میں مہارت حاصل کر لی ہے۔ وہ چھوٹے نسلی اور گروہی گروہوں کے دلوں میں خوف پیدا کرتے ہیں، پھر خود کو ان کے محافظ اور نجات دہندہ کے طور پر پیش کرتے ہیں، تاکہ اس کے بعد پورے خطے پر اپنی گرفت مزید مضبوط کر سکیں۔ آج "دروز کے تحفظ" کا دعویٰ تقسیم در تقسیم کے ان طویل مدتی استعماری منصوبوں کی محض ایک اور کڑی ہے۔

کئی صدیوں تک نسلی اقلیتیں اور مذہبی برادریاں اسلامی ریاست کے تحت اپنی عزت، جان اور مال کے مکمل تحفظ کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی ہیں۔ آج اس ریاست کی عدم موجودگی میں، اسلام کو خوف پھیلانے کے ایک بہانے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے، اور مسلمانوں کو دہشت کی علامت بنا کر پیش کیا جا رہا ہے تاکہ علیحدگی پسندی کا جواز پیدا کیا جا سکے۔ تاہم، وہ علیحدگی جسے یہ مذہبی پیشوا ناانصافی کے حل کے طور پر پیش کر رہے ہیں، درحقیقت ایک نئے طرز کے غلبے اور کبھی نہ ختم ہونے والی غیر ملکی سرپرستی کا ایک چور دروازہ ہے۔

خلافت نے ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جہاں بے حیائی تفریح کا ذریعہ نہیں تھی

اے لوگو! کیا اب وقت نہیں آگیا کہ اس فاسد سیکولر نظام کا ایک حقیقی متبادل تلاش کیا جائے جو ہماری خواتین اور بچوں کے تحفظ میں ناکام ہو چکا ہے؟۔ 1300 سال سے زائد عرصے تک، خلافت نے ایک مختلف راستہ فراہم کیا، یہ کوئی تصوراتی دنیا(utopia) نہیں تھی، کیونکہ اسلام یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جرم مکمل طور پر ختم ہو جائے گا، بلکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جو مجرمانہ رویے کی جڑوں کا تدارک کرتا ہے اور جب جرم سرزد ہو جائے، تو تیز رفتار، پختہ اور باوقار انصاف فراہم کرتا ہے۔

جب ایک نگران نے ایک لونڈی کو بدکاری پر مجبور کیا، تو خلیفہ عمر بن الخطابؓ نے اسے کوڑے مارنے اور جلاوطن کرنے کا حکم دیا، جبکہ متاثرہ خاتون کو سزا دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تھی۔ ایسا کر کے انہوں نے اس بات کی توثیق کی کہ اسلام ذمہ داری صرف مجرم پر ڈالتا ہے، نہ کہ کمزور مظلوم پر۔

جب 711 عیسوی میں سندھ کے راجہ داہر نے تاجروں کی یتیم بیٹیوں کو قیدی بنا لیا، تو حجاج نے محمد بن قاسم کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا، جس نے انہیں رہا کروایا اور اس خطے کو فتح کیا۔ اسی طرح، جب ایک بچے کو اغوا کیا گیا اور اسے اپنا دین تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا، تو عباسی خلیفہ المہدی نے بچے کی واپسی اور اغواکاروں کو سزا دینے کا حکم دیا۔ خلافت نے مظاہروں، مہمات یا سوشل میڈیا ہیش ٹیگز کا انتظار نہیں کیا؛ اس نے کمزور بچوں کی خاطر افواج کو متحرک کیا۔

خلافت نے ایک ایسا معاشرہ تعمیر کیا جس میں بے حیائی کو تفریح کے طور پر فروغ نہیں دیا جاتا تھا، جہاں خواتین اور بچوں کو محض فروخت ہونے والی اشیاء نہیں سمجھا جاتا تھا، اور جہاں فحاشی کو ذہنوں میں زہر گھولنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ ریاست نے کمزوروں کے تحفظ کی ذمہ داری خود سنبھالی تھی۔ ایک اکیلی عورت کی پکار ایک پورے لشکر کو حرکت میں لانے کے لیے کافی ہو سکتی تھی۔ یہی وہ فرق ہے۔ نبوت کے نقشِ قدم پر قائم ہونے والی خلافتِ راشدہ محض سزاؤں کا کوئی مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ، اسے ایک ایسے واحد ڈھانچے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو اس ماحول کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو اپنی جڑوں سے جرم کو جنم دیتا ہے۔